نتھ کی عزّت

ناول

واجدہ تبسّم

مکتبۂ اردو ادب لاہور

ایک طوائف کے محبت بھرے دل کا ناول

نتھ کی عزت

واجدہ تبسم

مکتبہ اردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

ناشر ——— سرفراز احمد
مطبع ——— زاہد بشیر پریس لاہور
قیمت ——— پندرہ روپے

قصاص

اللہ کا نام لو بی بی، کیوں ہاتھ پیر پھیلائے دیتی ہو۔ کہہ تو دیا شام تک سارا کام پورا ہو جائے گا۔" نصیبن بی بھٹیارن نے لہسن چھیلتے میں ذرا اُلجھ کر جواب دیا۔

"بُوا میں کب نہیں بولی کہ نہیں ہوئیں گا۔ پر یہ تمہارے سنگات کی چھوکریاں کو دیکھو ذرا۔ کچھ شِکراج نہیں۔ کیسے گھوم لے رئیں ـــــ" بڑی ماما بولی ـــــ پھول دار چھینٹ کے گھیر دار لہنگے پھڑکاتی بُوا کے ساتھ کی ساری چھوکریاں اِدھر اُدھر لو بلائی بولائی سی پھر رہی تھیں ـــــ بُوا نے اطمینان سے انہیں دیکھا اور بولیں :

"ماما بی، تم فکر نہ کرو ـــــ میں نے کہہ دیا نا وقت پر ہر کام پورا ہو جانے کا انشاءاللہ یہ سب کام ہی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہی ہیں :"

"بریانی کے واسطے پیاز کٹ گئی ؟"

"کٹ چکی :"

"بورشاہی ٹکڑوں کے میوے تلے گئے ؟"

"یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔"

"ہور راستے کے بینگن کاٹ کر نمک کے پانی میں بھگوڑے کی نہیں ؟"

"راستہ تیار ہو بھی گیا اور برف کی لگن میں رکھ بھی دیا گیا۔"

"ہور خوربہ کے . . ." اب نصیبن بوا کا پارہ چڑھ گیا۔

"ماماجی ــــ ایسی ہی بڑی منتظم آپ بنتیں تو ہم بیچوڑ خواتین کیوں بلوائی گئیں ؟"

"ہم رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے بول کے۔ ہم خالی بی بی ہور پاشا لوگاں کا کھانا پکاتے ــــ ان کے مرد مہمانوں کا بھی کھانا پکاتے، پر ہم شریف غریب لوگاں ہیں ایسے ولیسوں کا کھانا ہم نہیں پکاتے ــــ" نصیبن بوا نے غصہ پی کر ذرا دلچسپی سے پوچھا

"تو کیا آج پہلی بار محل میں طوائفیں ناچ رہی ہیں ؟ یہ تو سدا سے ہوتا ہی آیا ہوگا"

"ہوتا تو آیا برسوں سے ــــ ہور غضب جب بھی باہر سے رنڈیاں ناچنے گانے کو آتے، بھٹیارے بلائے گئے ــــ پر یہ جو آج ناچنے گانے کو ماں بیٹی آریئے اُنوں لوگ کی ہمارے کو ہور ہمارے ساتھ والے لوگاں کو دتی والی بھٹیارنوں کے ہاتھ کا کھانا ہونا"

"یہ کس خوشی میں ؟" بوا نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"وہ ایسا بول بھیجائے کی ہم کو ایچ عورتاں کے پکوان کی عادت ہے، نئیں تو گلا خراب ہوجاتا ــــ"

نصیبن بوا کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بالیاں مارے تجسس کے آس پاس آکھڑی ہوئی تھیں۔

"اے ہے لطف رہے گا نا ــــ" ایک سرگوشی میں دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"ہائے سچ ! جلدی جلدی کام نپٹانا لیں ــــ ناچ گانا نہ ہو تب بھی ایسی عورتوں کو تو صرف دیکھنے ہی میں کتنا مزا آتا ہے ــــ ہے نا ؟"

نصیبن بوا نے گھور کر لڑکیوں کو دیکھا ــــ لہسن کے جوئے پر سارا غصّہ اتار کر

ماما بی سے بولیں۔
"یہ نواب صاحبان طوائفیں کیوں نچواتے ہیں؟"
ماما بی نے ناک پر انگلی رکھ کر ذرا اچنبھے سے دیکھا اور بولیں۔
"اُنوں کو اچھا لگتا"
محل کے باورچی خانے سے اوپر کے کام والی دو چار عورتیں بھی اپنے اپنے کام نبٹا کر دو پٹے سے ہاتھ پونچھتی اس محفل میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سکینہ بی مسکرا کر بولی۔
"اچھا تو لگتا ۔۔۔۔ اس واسطے اچ نچواتے گو ائیں۔ پن اس وخت تو دوسری اچ بات ہے" سب اس کا موبہہ دیکھنے لگیں تو وہ ہنس ہنس کر سنانے لگی :
"اگے نواب صاحب کی شادی ہونے والی ہے کی نئیں اس واسطے اُنوں ایک تا ایک رنڈی کو محل میں اچ بلا بلا کو، نچا نچا کو، گا گا کو پرکھ رئیں کی جو سب سے اچھا ناچیں گی گا ئیں گی، اُس کو بارات والے دن بڑی محفل میں نچوائیں گے ۔۔۔۔" نصیبن بُوا نے اُچھر کر اپنے آس پاس کھڑی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا۔ ان میں کنواری بھی تھیں۔ چڑکر بولیں :
"اری روشن، تم یہاں کھڑی کھڑی کیا موبہہ تکنے جا رہی ہو۔ جاؤ اصغری تم اور دو چار جنے مِل کر تندور دہکاؤ"
اصغری نے موبہہ بنا کر روشن کو دیکھا۔
"ایسی اچھی اچھی باتیں ہوری ہوں تو ہمیں یونہی بھگا دیا جاتا ہے ہونہہ۔ چلو آؤ۔ کچھ کھسکیں، کچھ وہیں کھڑی رہیں سکینہ بُوا کا بیان جاری تھا۔
"یہ آج تچی بلیتوں کو ئی گیارھویں بارھویں ناچن آنے والی ہے۔ سرکار کو ابھی تک کوئی پسنداچ نئیں آئی"
"جو نا کام ہو کر جاتی ہوں گی ان بے چاریوں کا دل ٹوٹ نہ جاتا ہو گا" نصیبن بُوا دُکھ سے بولیں۔

"دِل کائے کو ٹوٹیں گا۔ اگے نئیں بھی پسند کرے تو سرکار اِتّا دھن دولت، زیور دیتے کی پُوری زندگی بیٹھ کو کھانا، پر ختم نئیں ہوتا۔"

"پھر بھی!" نفیسن بُوا بس اتنا ہی بول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی کیا پھر بھی۔ ہور کیا وہ رانڈاں ایک ہی پر بس کر کے تھوڑی رہتیں۔ آگے اِن کا تو دھندا اِچ یہ ہے۔ ایک پکڑے، ایک چھوڑے، میں اِچ ساری زندگی گزر جاتی بول کے" بڑے لوگاں کی بڑی باتیں۔"

بُوا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں: "خُدا بخشے دادی مرحومہ بھی دہلی کے اُمرا کی ایسی ہی سُناتی تھیں۔"

"ارے کچھ نہیں بٹیا۔ پیشے الگ الگ ہیں لیکن بات ایک ہی ہے۔" انھوں نے گرم ہوتے ہوئے تندور کی طرف دیکھ کر دُکھ سے کہا۔ "اس کم بخت پیٹ کی آگ بجھانے کو اِس تندور کو دہکانا ہی پڑتا ہے۔"

سکینہ بی ذرا بِپھر کر بولیں: "اِتّی تمنا اُنے اُجاڑ ماریوں کے ساتھ کاتے کو اِتّی ہمدردی جی۔ موئی پلید رانڈاں۔ ہزار مردوئے چھوڑ کر بیٹھتیاں، اس واسطے تو ہم لوگاں بھی رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے۔"

کھانے کا نام سُن کر نئے سرے سے ماما بی کو فکر نے آگھیرا۔

"اِئی میں تو چلیتوں اب۔ مگر دیکھنا کھانا مغرب تک پُورا تیار ہو جانا نئیں۔ بڑے سرکار خود آ کر میرے کو جتا گئے تھے۔ بی بی لوگاں تو ایسے موقعوں پر ذرا دخل نئیں دیتے۔ ہور دخل دینا بھی نئیں چاہتے۔ شریف عورتاں کائے کو رنڈیوں بھنڈیوں کے کاماں میں دخل دیں گے۔ اِتّا برداشت کر لیتے اِچ سو غنیمت ہے کی ناچنے گانے والیاں آتے پن کچھ نئیں بولتے ——— شریف بیبیاں مردوں کے باتاں میں بولنا بھی نئیں کچھ۔" وہ اپنا سفید سر ہلاتی، بک جھک کرتی زنان خانے کو ہو لیں اور ساری لڑکیاں ٹھٹھا مار کر

بندیوں اور بیل گاڑیوں کی طرف لپک پڑیں جن پر لدکر شامیانے اور سجاوٹ کا سامان آیا تھا۔ جس دن طوائفیں آنے والی ہوتیں۔ زنان خانہ سنسان ویران پڑ جاتا۔ ساری رونق سمٹ کر دالانے میں اکٹھی ہوجاتی۔ بیبیوں کا دستور تھا وہ اپنے پرتوں اور باورچی خانوں میں کبھی بازاری عورتوں کا پکوان نہ چکنے دیتیں ــــ اس دن طوائفوں، سازندوں اور ان کے ساتھ والوں کا کھانا باہر مردانے آنگنوں میں بڑے بڑے چولہے اور تندور لگا کر پکایا جاتا۔ اس دن محل کے مردوں کا کھانا بھی باہر ہی پکتا ــــ شہر کے مشہور بھٹیارے بلوائے جاتے، اور شادی کا سا سماں بندھ جاتا۔ "شوکت محل" میں طوائفوں کا آنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن ان دنوں کچھ زیادہ ہی دھوم دھام تھی ــــ نواب شوکت یار جنگ کی اپنی شادی ہونے والی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سارا حیدر آباد دکن ہی اس شادی میں اُمڈ پڑے گا۔ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کے باوجود ناچ رنگ اور مجرے کا بھی اپنا ایک مخصوص معیار تھا۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ جو بھی کرنا تھا خود ہی کو کرنا تھا ــــ ویسے شادی کے اور انتظامات تو اماں حضور کر رہی تھیں۔ لیکن یہ مخصوص شعبہ ان کے اپنے سپرد تھا۔ اس سلسلے میں ایک سے ایک طرح دار طوائف جو گانے میں بھی اپنی مثال اور ناچنے میں بھی اپنی مثال آپ ہوتی آتی رہی، بلائی جاتی رہی اور دھتکاری جاتی رہی۔

"کیا حیدر آباد میں اچھی نامور اور باکمال طوائف کا کال پڑ گیا"۔ وہ اپنے آپ سے پوچھتے ــــ وہ بہت چھوٹے سے تھے، لیکن اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دادا کے زمانے میں اسی "شوکت محل" میں کیسی کیسی چھیل چھبیلی لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور سنگ مرمر جڑے بڑے گلابی محل میں مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں ــــ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ خیال سے سمجھ نہ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن دماغ کے پردے پر وہ صورتیں کبھی نہ مٹنے کے لئے محفوظ اور نقش ہوتی گئیں۔ پھر جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے سمجھ آتی گئی ــــ لیکن اب جبکہ وہ خود بھرپور جوان تھے، وہ طرح دار رقاصائیں اور کوئلیں تو خود بھی بڑھیا ہو چکی ہوں گی،

لیکن قدرت جو اس قدر سخی اور فراخ دل ہے اُس نے اپنے خزانے بند تو نہیں کر دیئے ہوں گے! وہ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آئے دن محفلیں سجا رہے تھے ــــ اُن کے ہرکارے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر خبریں اور پتے لا رہے تھے۔

آج کا قرعۂ فال چوک کی ایک نسبتاً گم نام اور کم معروف گانے والی زمانی بیگم اور ان کی بیٹی کے نام پڑا تھا۔

"سرکار اب شادی کی تاریخ ہور آگے بڑھانے کی نوبت نہیں آئیں گی۔"

چھدو میاں دوہرے ہو کر بولے "سرکار خالی بات کرنے میں آواز کی مٹھاس کا وہ حال ہے کہ جیسے کانوں میں شہد انڈیل رہا ہو تو آپ سوچو گانے میں کیا تو بھی نہیں مٹھاس ہوئیں گی۔ ہور سرکار صورت تو آپ خود ایچ دیکھ لینا۔"

"کس کی، ماں کی یا بیٹی کی؟" نواب شوکت ذرا مسکرا کر بولے ــــ

"نئیں سرکار بیٹی کی صورت بولتوں۔ ماں کا کیا ہے، پھٹی سو سلیم شاہی جوتی۔"

آواز جس کے بارے میں چھدو میاں نے شہد کی مثال دی تھی، وہ تو ابھی نواب شوکت نے نہیں سنی تھی لیکن چہرہ، چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور دُنیا کی ہر مثال، ہر تشبیہہ "اوں ہوں" کہہ کر نئی نعت کی کھوج میں آگے دھکیل دیتی تھی۔

شکرام سے اُترتے ہوئے اس نے دو چٹکیوں سے اپنا زرتار غرارہ تھاما ہوا تھا انگلیوں میں چھوٹے ہیرے موتی جڑی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں کلائیوں تک لمبی آستینوں کا کامدار کرتا تھا۔ اس سے اوپر کائنات کو تہہ و بالا کر دینے والا چہرہ تھا ــــ اُس روشن چہرے پر ایک چھوٹی سی تیکھی ناک تھی جو جانے کتنی اونچی ناکوں کو جھکا دینے کا عزم کئے ہوئے تھی ــــ ایک چھوٹی سی نتھنی اس کلابی ناک کے ایک رہ رہ کر پھڑکتے نتھنے میں نفاست سے پروئی ہوئی تھی۔ اس سے لگے ہوئے دو صبیح رخسار بھی ہوں گے۔ اِن سے

سوا وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک داستان کہہ دینے والے ہونٹ بھی ہوں گے ـــــ اور اسی چہرے پر اچھے بھلے انسان کو پاگل کر دینے والی دو جگمگاتی ہوئی ہلکی نیلی سی آنکھیں۔ بھی ستاروں کی طرح جڑی ہوئی ہوں گی۔ ہوں گی ـــــ ضرور ہوں گی۔ لیکن نواب شوکت نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس ننھی سی ننھنی والی گلابی ناک نے ہی اُن کی دُنیا بھلا دی تھی ـــــ

لڑکیاں اتنی حسین بھی ہو سکتی ہیں ـــــ نہ پہلے کبھی انہوں نے سوچا تھا نہ دیکھا تھا ـــــ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اپنی ماں کے پیچھے پیچھے وہ یوں آئی جیسے بہتی ہوئی آ رہی ہو یا ہوا میں اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔

نواب شوکت نے اپنے آپ کو آج تک اس قدر کمزور محسوس نہیں کیا تھا ـــــ وہ کیسے استقبال کو کھڑے ہوں ـــــ مانا کہ وہ طوائفیں تھیں، بہر حال آدابِ مجلس اور محفل اپنی جگہ جہاں ہر آنے والی خاتون کا اُٹھ کر خیر مقدم کرنا ہی چاہیئے ـــــ اٹھائیس سال کی عمر میں اس قدر نقاہت۔ نواب شوکت۔ ابھی تو آپ کو منزلیں طے کرنی ہیں۔ اتنی تھکن؟

دِل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اٹھنا چاہا تو پاؤں جواب دے گئے اپنی کمزوری، اپنی بدتمیزی اور اپنی کج اخلاقی کو انہوں نے شانِ بے نیازی میں تبدیل کرنا چاہا۔ ایک نظر یونہی بڑے سے جگمگاتے ہوئے ہال پر ڈالی ـــــ نرم گداز قالینوں پر ریشمی گدے لگے ہوئے تھے ـــــ بیچ میں رقص کے لئے ایک دائرہ نما حلقہ چھوڑ کر آس پاس بچھی ہوئی چاندنیاں گدیلے۔ چاندی کے خوب صورت جالی دار پاندان اور ان میں سلیقے سے پان چھالیہ، الائچی، لونگ سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ چاندی ہی کے اگالدان، چاندی کے گلاب پاش۔ ایک علیحدہ مسند پر ساز بھی سجے ہوئے تھے۔

اب وہ اسی مسند کی طرف آ رہی ہو گی! دھیرے دھیرے کنول جیسے خوب صورت پیروں سے چلتی ہوئی، نہیں وہ چلتی کہاں ہے وہ تو جیسے لہروں پہ بہتی ہوئی آتی ہے... اب ...

اب اب وہ یہیں سے ، دل کے پاس سے گزرے گی . . . اب انہوں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے نگاہ پھیری ـــــ اسی وقت اس کی ماں نے اسے ذرا تنبیہ کے سے انداز میں کہا۔

"جُھک کر تسلیم بجا لاؤ بیٹی ـــــ"

ماں کا حکم پا کر وہ جھکی ـــــ یوں جُھکی کہ ساری کائنات ڈول گئی - وہ تو جُھکی ہی ، جھک کر سیدھی بھی ہو گئی ، لیکن نواب شوکت کو اپنا آپ سنبھالنے میں صدیاں لگ گئیں۔

ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے - ہال بھر تا گیا ـــــ ساز بجنے لگے ، گھنگرو چھنکنے لگے وہ یونہی مسند پر اُدھر مُتی بیٹھی رہی جیسے اس ہنگامے سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو - ماں گاتی رہی - ساز ندے اپنے طور پر جو جی میں آیا بجاتے رہے ـــــ ساتھ میں آئی دو تین بچیاں ناچتی رہیں اور وہ یونہی ہال کی سجاوٹ بنی بیٹھی رہی -

نواب شوکت اُس ایک طرف نہ دیکھنے کی خاطر ساری دُنیا کا جائزہ لے رہے تھے - باہر سارے نوکر، نوکرانیاں دروازوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چُھپائے اندر جھانکتے کھڑے تھے - دن بھر گیوان کرنے کے باوجود تازہ دم اور بہ تازگی صرف ایک زندگی بخش چہرے کے ہی دین ہو سکتی تھی ـــــ نظر آتی ہوئی بھٹیارنیں ، خواصیں ، ماما ئیں ، بی بی پاشا لوگ کی کنیزیں چلمنوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی محل کی پردہ نشیں بیبیاں - پان چباتے ہوئے مہمان - داد دیتے ہوئے چہرے - بڑی طرف لاتوں میں میزیں لگاتے ہوئے بیرے - دوسری طرف جاجم بچھا کر پیتل سفید سفید بیکنوں سے پونچھتے ہوئے محل کے خادم - ساری چیزوں کو وہ دیکھ سکنے کا حوصلہ رکھتے تھے - لیکن ایک طرف - صرف ایک جانب ان کی آنکھ اُٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھی -

"کیوں - آخر کیوں ؟

ایک دم ساز تھم گئے - سب اپنی اپنی جگہ چونک گئے - چھدو میاں زمانی بیگم سے مُخاطب ہو کر کہہ رہے تھے - .

"آپ صاحبزادی سے کچھ سُنواتے تو ہمارے سرکار بھی خوش ہوتے - اب تک تو سب

بچوں کا ہی کھیل چلے ویسا تھا۔"

"آؤ بی بی۔ ذرا قریب آجاؤ ـــــ سچ تو ہے اب تمہیں گانا ہی چاہیے" محفل میں سے کوئی بولا۔

"ناچ نہ ہو جائے پہلے"

"نہیں ـــــ" وہ جیسے سہم کر بولی "رقص نہیں، رقص نہیں"

سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے ـــــ ماں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورا ـــــ نواب شوکت نے زمانی بیگم کی نگاہوں کا مطلب تاڑ لیا۔ سنجیدگی سے بولے۔

"ٹھیک ہے ـــــ ابھی ان کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا تو آپ کاتے کو مجبور کرتے۔ گانا ہی سن لیتے ہیں"

زمانی بیگم کے تیور ابھی تک بدلے ہوئے تھے لیکن مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

"چلو بیٹی، نواب صاحب جیسا فرماتے ہیں، یونہی سہی ـــــ" پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"غزل، گیت، ٹھمری، ملہار؟ جو بھی آپ کی فرمائش ہو"

"جو بھی یہ چاہیں ـــــ نواب صاحب نے بہت سہمے سہمے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا ـــــ "گانے والے کی مرضی پہ چھوڑ دیا جاتے، تو وہ بات ہی الگ ہوتی ہے"

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر سنبھلی ـــــ ہارمونیم والے نے ہارمونیم سنبھالا اور وہ شروع ہو گئی۔

روئے ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ رُوئے گلستاں کچھ بھی نہیں

آواز کا جادو ساری محفل میں بھر گیا ـــــ لوگ آواز اور لے میں پہلی اٹھان ہی سے

کھو گئے تھے لیکن زمانی بیگم نے ساز اور طبلے کی تیز آواز میں اُسے ٹوکنا شروع کر
"پگلی ہوئی ہے لڑکی ——"
"یہ کیا شروع کر دیا نامراد!"
"دوسری چیز سنا کم بخت!"
لیکن اُس نے دوسرا شعر شروع کر دیا:

جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

نواب شوکت جھوم جھوم کر سن رہے تھے۔
ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں —— ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں۔
اس ٹکڑے کی بار بار تکرار نے محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ زمانی بیگم دیکھ کر سر پیٹ رہی تھیں۔
اس نے اگلا شعر بڑے کرب سے گانا شروع کیا:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

اب یہ سب کچھ زمانی بیگم کی برداشت سے باہر تھا، وہ ذرا آگے کی ایک تھاپ ماری —— تال ٹوٹ گئی۔ لوگوں کا دھیان بٹ گیا۔ بد مزگی سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔
"نامراد یہ کون سا وقت ہے، ایسی عبرت ناک چیزیں پڑھنے کا ہوں گیا ——"
نواب شوکت بڑی دیر بعد محفل میں لوٹے۔ وہ ابھی تک اسی کے ماحول کے سحر میں تھے۔ نرمی سے بولے:

"کیا ہوا ؟"

وقت کی چیز وقت پر اچھی لگتی ہے حضور نواب صاحب! آپ نے تو بلایا ہے اس
بارک شادی خانہ آبادی کے بابرکت موقعے کے لئے کوئی پھڑکتی ہوئی محفل
الی چیز کا انتخاب فرمائیں گے اور شادی کے مبارک دن وہی چیز حاضرین محفل کے
کی جائے گی اور یہ نادان، ناسمجھ، نامراد دیکھئے تو کیا گانے بیٹھ گئی ۔" زمانی بیگم
کو نواب صاحب کے عتاب سے بچانے کے لئے خود ہی لعن طعن شروع کردی۔
حیرت کی حد نہ رہی جب نواب صاحب نے ملائمت سے کہا۔

ہم یہ سوچ رہے ہیں کی اس سے اچھی چیز آپ کی بیٹی اور کیا گا سکے گی ہم بار
سا چاہیں گے ۔"

نصیب میرے کہ حضور بدمزا نہیں ہوتے، ورنہ اس نے میری جان لینے میں کسر
چھوڑ دی تھی ۔"

"جان آپ کی نیتیں ہماری لے لیتے ہیں ان بی بی نے ۔" انہوں نے اپنے دل کی آواز
ہو کر سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا کہ کسی نے ان کے دل کی بات تو نہیں سن لی
جھوم کر سننے اور داد دینے لگے ۔

خاک پر ٹوٹا پڑا ہے کاسہ سرہانے ہائے
دور میں اے جم، ترا جام جہاں کچھ بھی نہیں

پُرسوز لے اور جسم میں سے آخری سانس تک کھینچ کر نکال لینے والی، ورنہ بکھری
یہ شعر گاتے گاتے اچانک اس نے لے بدل کر دوسری غزل شروع کردی۔ آدا

ہے بہارِ باغِ دُنیا چند روز   دیکھ لو اس کا تماشا چند روز
اے مسافر کوچ کا سامان کر   اس سرا میں ہے بسیرا چند روز

اچانک بکھر رہی لے۔ وہی تان۔ وہی شعر۔ وہی کرب۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

ادھر نواب صاحب جھوم جھوم کر سر دُھن دُھن کر داد دے رہے تھے —— اہلِ محفل کی طرف سے زمانی بیگم پر کلدار روپیوں کی بارش ہو رہی تھی، کیوں کہ ان کی بیٹی نواب صاحب کا دل جیت گئی تھی۔ نواب صاحب خود بھی جب کسی طوائف کے رقص یا گیت کو پسند کر لیتے تو وہ تو جھومتے ہی رہتے اور مصاحبین نواب صاحب کی طرف سے فنکارہ پر روپیوں کی بارش کرتے رہتے۔

باہر دروازوں کے پٹوں سے لگی کنیزوں میں، چلمنوں سے جھانکتی بیبیوں میں، جا بجا پڑی بیٹھی بھٹیارنوں میں، خوشی کی دبی دبی سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

"ہائے اللہ اب محل میں شادی ہوئیں گی۔ خوب مزا آئے گا نا؟"

"پھر کیا۔ نواب صاحب کی شادی کی ساری تیاری تو ہو گئی تھی۔ بس کوئی گانے ناچنے والی ایچ تو پسند نئیں آرئی تھی۔ سو وہ بھی آ گئی۔"

"اب اگلے مہینے میں ہو جائیں گی نا شادی، کیوں گے؟"

"اب ہونا تو چاہیئے —— پھر کیا معلوم ——"

"اے خدا اگلے مہینے شادی نہ ہو" اصغری اپنی ساتھ والی سے بولی جتنے دن شادی رُکی رہے گی، نواب صاحب طوائف کو بلاتے رہیں گے اور ہمیں کھانا بھی اچھا اچھا ملتا رہے گا اور روپیہ پیسہ بھی بہت ملے گا ——" یہی ساری بھٹیارنوں کے دل کی بھی آواز تھی لیکن نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساری تیاریاں ہوتے ہوتے بھی شادی رُک گئی۔ نہ لڑکیوں بالیوں کے دل کھلے نہ بھٹیارنوں ہی کی دعا قبول ہوئی کہ طوائف بار بار بلوائی جائے کیوں کہ ہوا یہ کہ نواب شوکت یار جنگ کو خود وہ طوائف ایسی پسند آ گئی کہ شادی ٹالتے گئے۔ اور بڑی انہونی بات یہ کی کہ خود ہی ایک دن اس کے دروازے پر جا پہنچے۔

اُس دن شوکت محل سے مال تو اتنا کچھ مل گیا تھا کہ ماں بیٹی چاہتیں تو عمر بھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں۔ لیکن گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی زمانی بیگم تو اس دن یہ سمجھ آئی تھیں کہ نواب صاحب کس طرح بٹیا پر للہوٹ ہو گئے ہیں اور جو کسی نے کہا ہے کہ طوائف کی نظر سدا مردوں کی جیب پر ہوتی ہے غلط نہیں کہا۔ زمانی بیگم کا بس چلتا تو پورا شوکت محل ہی اُٹھا کر اپنے گھر میں لے آتیں ـــــ اس دن آتے ہی بیٹی پر بے بھاؤ کی پڑیں۔

"کیوں ری حرام زادی، کون سا تیرا ابا مر گیا تھا کہ لوے اور مرثیے پڑھنے بیٹھ گئی تھی ـــــ میں تجھے کیا سکھا پڑھا کر لے گئی تھی؟"

"جی؟" اس نے اپنی خوابناک اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر پوچھا۔

"جی کی بچی ـــــ میں غرارہ پہنا کر اس لئے لے گئی تھی کہ ناچ بتانا ـــــ ناچتے ناچتے غرارہ ذرا سا کھسکا چکتی دمکتی پنڈلی دکھا دینا ـــــ کوئی کوئی سر پھرا مرد عورت کے سارے جسم کو چھوڑ کر بس ٹانگوں پر ہی دم دیتا ہے، مگر تو تو ایسی نکاحی دلہن بن کر بیٹھی تھی کہ جسم کی ذرا بھی جھلک تک تو نے نہیں دکھائی۔

"اماں ـــــ" وہ بڑے نرم اور ڈرے ہوئے لہجے میں بولی: "آپ نے مجھے مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کیوں بٹھایا تھا؟"

یہ سوال زمانی بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ جلبلا کر بولیں:

"اری قرآن شریف پڑھنے کو اور کاہے کو۔ مذہب سے واقفیت کو اور کاہے کو ـــــ نہیں تو منکر نکیر تجھے جھوڑ کر مجھے ڈنڈے مارنے نہ آئیں گے جو اُلٹے سیدھے جواب دے تو۔"

"وہی تو کہتی ہوں اماں ـــــ آپ نے تعلیم دلوائی ـــــ میں نے جو پڑھا اسی پر عمل کرنا چاہتی ہوں ـــــ مذہب یہ کہاں سکھاتا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے جسم سے پرچاؤ مذہب نے تو حیا کی تعلیم دی ہے، اور آپ نے خود میرا نام حیا رکھا ہے۔

"اے چولہے بھاڑ میں جائے جی موئی حیا شرم، اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ، شرم حیا کو لے کر بیٹھ جائیں تو فاقے نہ کریں۔"

"فاقے کہاں اماں، اتنی دولت تو آپ نے جوڑی ہے کہ پشتوں ختم نہ ہو اور... ..."

اور ایک زناٹے دار ہاتھ حیا کے گال پر پڑا۔

"اری حرام زادی ـــــ تو حرافہ تیری ماں حرافہ ـــــ شریف زادی بننا ہے تو پڑھوا لے کسی سے دو بول ـــــ جب سال پیچھے بچہ پیدا کروائے گا، اور جوتوں لاتوں سے تواضع کرے گا پھر آ کر مجھ سے بات کرنا۔ حرام زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے ـــــ جب گانا سیکھنے کو بٹھاؤ، الٹے سیدھے بول اور تان نکالے گی ـــــ ناچنے کو کھڑا کرو جان جان کر بے تال ہونے لگے گی ـــــ تیری سات پشتوں میں بھی کسی نے گھر داری اور ہانڈی ڈوئی کی ہے ـــــ یہ ایک بڑی پردے دار بی بی بننے چلی ہے ـــــ چھمن خاں!" انہوں نے مونہہ پھیر کر اُستاد کو آواز دی: "لے جاؤ لونڈیا کو اور آج تال دادرا اس کے بھیجے میں پوری طرح بٹھاؤ۔"

چھمن خاں ڈرتے ہوئے آئے تو وہ پھر گرجیں۔

"کیا کہا میں نے؟"

"جی تال دادرا" وہ ڈر کر بولے۔

"ٹھیکہ سناؤ اس کا"

"جی ـــــ" چھمن خاں مسمسی صورت بنا کر بولے: "دھا۔ دھن۔ نا۔ دھا۔ تن۔ نا ـــــ"

"اُلو کے پٹھے ہو تم کبھی ـــــ" وہ جھنجھنا کر بولیں۔

"ٹھیکہ یوں ہے۔ دھا۔ دھن نا۔ دھا۔ تن نا ـــــ پہلے تو تم خود آئینے کے سامنے

کھڑے ہو کر اپنی میت جیسی صورت پر فاتحہ پڑھو ــــ اس کے بعد لونڈیا کو پڑھاؤ ــــ سبھے ــــ" وہ اُٹھ کر پاؤں پٹختی خود ہی چلی گئیں ــــ چمن خاں روتی ہوئی آواز میں بولے :

"بٹیا آپ انہیں غصہ دلا دیتی ہیں، ہم غریب مارے جاتے ہیں ــــ ساری عمر ساز سنگیت لَے، تال، ٹھیکوں میں گزری پر اللہ قسم جب غصے میں ہوتی ہیں تو سارا فن بھلائے دیتی ہیں ــــ اس دن بھی آپ پر غصہ ہوئیں اور میں غلط وقت پر غلط راگنی کا نام لے بیٹھا ــــ اب کون نہیں جانتا کہ میاں کی ملہار، جے جے ونتی، درباری، رات کے راگ ہیں ــــ وہ کچھ بولیں، میں کچھ سمجھا۔ بول بیٹھا بھیرویں، اساوری تو صبح کے راگ ہیں ــــ حالانکہ میری تو عمر ایسی . . . . "

حیا دھیرے دھیرے آنسو بھری آنکھیں اُٹھا کر بولی :

"بابا آپ خواہ مخواہ دِل چھوٹا کرتے ہیں ــــ یہ تو میں خود ہی منحوس ماری ہوں کہ آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہوں۔"

"میرا کچھ نہیں جاتا بٹیا ــــ آپ کے لئے میرا دل دُکھتا ہے۔ آپ ان کی بات مانتی کیوں نہیں آخر۔"

"بابا جب آنکھوں میں سبز رنگ ہوں، جب یہ منظر بار بار کلیجہ مسوستا ہو کہ میں اُبٹن اور مہندی سے مہکی ہوئی ہوں، گوٹے، ستاروں سے لدے جوڑے میں دُلہن بنی ہوئی ہوں، پاؤں کے بچھوے وہ موسیقی سُنا رہے ہوں جو آج تک کسی موسیقار نے تخلیق نہیں کی۔ پھولوں سے سجی پالکی آنگن میں لگی ہوئی ہے ــــ نئی زندگی کی بے پناہ خوشی اور خواہش آگے بڑھنے پر اُکساتی ہے لیکن پھر بھی میں کواڑ کے پٹ مضبوطی سے پکڑ لیتی ہوں کہ نا، نا مجھے اس آنگن کو ــــ تو کے اس دیس کو نہیں چھوڑنا ہے ــــ جنہیں دھیرے دھیرے کواڑوں سے جکڑی میری اُنگلیاں چھڑاتی ہیں کہ جاؤ بہنا یہی تمہارا ہمارا سب کا نصیبہ ہے۔

کبھائی مونہہ پھیرے آنسو چھپانا چاہتے ہیں، اور میں ایک پل روتی، ایک پل مسکراتی ـــــ آنسودل سے مونہہ دھوتی پالکی میں بیٹھ جاتی ہوں، جس کے ساتھ گھوڑے پر چڑھے وہ بیٹھے ہیں ـــــ پیچھے مُڑ کر دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو اور دُنیا بھر کا پیار لئے اماں ابا کھڑے نظر آتے ہیں تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہوں کہ اتنے میں ایک ہاتھ میرا ہاتھ تھام لیتا ہے اور جیسے ساری دُنیا کی خوشیاں میری گرفت میں آجاتی ہیں۔ بابا مجھے ایک ہاتھ چاہیئے۔ بس ایک ہاتھ۔ ایک ہی کا ہاتھ ـــــ"

"آپ میری بات کا جواب کبھی نہیں دیتیں بٹیا ـــــ"

"بابا ـــــ" حیا اپنے آپ کے خول سے چونک کر نکلی۔ "چلئے ریاض کرلیں، ورنہ اماں میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی غصے ہوں گی ـــــ" وہ ابھی دوسرے کمرے میں پہنچی بھی نہ تھی کہ بڑے دروازے پر دستک ہوئی۔ چھمن خاں لپکے۔ اِدھر اُدھر سے ساری لڑکیاں بھی نکل آئیں: زمانی بیگم وہیں سے وزیرن کو ٹھیلنے لگیں۔

"اری یہ کوئی نیا آدمی جان پڑتا ہے جو دستک پہ دستک دیئے جا رہا ہے۔ ورنہ جان پہچان کا ہوتا تو یونہی چلا نہ آتا ـــــ بھلا ہمارے سَدا کے کھلے پڑے دروازے پہ کوئی دستک کیوں دے گا؟"

پتہ چلا کہ نواب شوکت یار جنگ کا فرستادہ آیا ہے کہ شام کو نواب صاحب خود تشریف لانے والے ہیں۔

چوک میں ایسے نصیب کس کے ہوئے تھے؟ اے لو وہ ہلچل مچی کہ توبہ ـــــ اب رات آدھی رات کے جاگے تو ابھی ابھی گھر پہنچے تھے ـــــ صبح ہوا ہی چاہتی تھی۔ دن پھر تو سونے میں کٹ جاتا ہے۔ جب رات بھر کے جگے ہوئے ہوں گے اور شام ہی شام کو جو نواب صاحب آجائیں تو گھر کو سجانے، سنوارنے، خود اپنے نہانے دھونے، بننے سنورنے میں کچھ تو وقت لگے گا ہی۔ "یوں کرو چھمن خاں نواب صاحب سے کہلا دو مغرب

کے بی تشریف لائیں کہ بندی نماز سے کبھی فراغت پالے —— اچھا ہے بڑے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ گانے بجانے جیسے پیشے کے ساتھ ساتھ نماز روزے کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔"

عصر کے وقت زمانی بیگم سو کر اُٹھیں بے ہنگم سے خوب اونچے پلنگ پر بچھونسڑے میلے میلے تکیوں اور پھٹی پُرانی چادر پر پڑے پڑے انہوں نے نیچے جھانک کر اُگالدان نکالا اور صبح کا دبا ہُوا پان پٹاخ سے اُگالدان میں تھوک دیا۔ پان کلّے میں دبا رہے تو بات نہیں کی جا سکتی نا۔ اب وہ گالیاں دینے کے لئے آزاد تھیں، مونہہ میں پیک وغیرہ کچھ نہ تھا۔

"جمالن، او جمالن۔ کدھر مر گئی سور کی جنی۔ اری او صابرہ۔ او خصموں دیوانی —— اری او نا تحقیق کی اولاد جھنو۔ کوئی نہیں سُنتا —— اری او دلّارن۔ موئی ساری جہنم کی کندیاں، مر جاؤ سب کی سب اللہ کرے منکر نکیر ڈنڈے لے لے کر تمہیں سارے جہنم میں گھمائیں۔"

صابرہ دوسرے کمرے میں مونہہ دبا کر ہنستی ہوئی بولی:

"ہم نے تو کبھی یہ سُنا اور پڑھا ہے کہ منکر نکیر قبر میں آتے ہیں نا کہ پورے جہنم میں آپا دھاپی اور چھپا کا کرتے پھرتے ہیں۔"

"ایسے ہوتے موٹے کیڑے پڑیں تمہاری قبروں میں کہ جیسے سانپ۔" زمانی بیگم کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

جھنو ایک نمبر کی حرّامی تھی —— کتابیں رسالے پڑھ پڑھ کر زبان بھی بہت تیز کر چکی تھی۔ ہنس کر دھیرے سے بولی:

"یہ مسلسل قبر اور دوزخ کو گڈمڈ کئے جا رہی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھائے کہ کیڑے قبر میں پڑیں گے اور سانپ دوزخ میں ہوتے ہیں۔"

"ارے نہ نواب کی اولاد اُٹھی یا نہیں بے حیا۔"

"واہ بھئی، بچپن میں تو حیا نام رکھا اور اب اس میں بے کا اضافہ کر دیا تو بچپن ہی سے بے حیا رکھ دیتیں۔"

"اب چپ بھی کرو۔۔۔۔" جھنّو دھیرے سے بولی: "بے چاری باجی پر پھر سے پڑتال شروع ہو جائے گی۔ لو میں ہی جاتی ہوں۔۔۔۔" بہت معتبر بن کر وہ زمانی بیگم کے کمرے میں پہنچی۔

"جی اماں، آپ نے یاد فرمایا؟"

"اری نگوڑیو! تمہارے کانوں میں پلنگ کی گلیاں پھونس رکھی ہیں کیا۔ شکر کرے۔۔۔۔ کب سے بلا رہی ہوں، تم سب تیار ہو گئیں یا نہیں۔۔۔۔ بس گھنٹے دو گھنٹے میں نواب شوکت یار جنگ آتے ہی ہوں گے۔ دیوان خانے کی صفائی کروا اور پاندان، ناگردان، اگالدان، خاص دان سب صاف کر کے قرینے سے لگا دو۔"

"اور کچھ اماں جان۔۔۔۔" صابرہ بظاہر بے حد سنجیدہ بن کر آکھڑی ہوئی تھی۔

"اور کچھ نہیں۔۔۔۔" وہ خفگی سے بولیں۔ "لیکن ہاں سنو، جب نواب صاحب آکر بیٹھ جائیں اور پان چائے اور لوازمات کے لئے کہوں تو تجھے جواب دینا کہ اماں کم بخت ماری چابیاں صبح سے کھو گئی ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے زار ہو گئے سب، ملتی ہی نہیں۔ بس اتنا کہہ کر واپس چلی جانا۔"

حمالن حیرت سے بولی: "اماں بی بی اس سے کیا نتیجہ برآمد ہو گا؟"

"اری سو حرّافاؤں کی ایک حرّافہ۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہو گا کہ نواب صاحب خود ہی بٹوے میں سے سو پچاس روپے اچھال دیں گے، یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے، لیکن ایسا کہ ہاتھ بھی نہ پھیلے اور ہاتھ بھی بھر جاتے۔"

حیا بازو کے کمرے میں سخت بے چینی کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے

یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں اماں آکر چھاتی پر سوار ہو جائیں گی۔

"میری جان! یہ زیور پہن لے۔ میری بچی یہ جوڑا چڑھا لے۔ سنگھار کرلے۔ پھول سجا لے ۔۔۔ کتنا بچیں گی، ہر بار، رو پیٹ کر، مار دھکے، جوتے لاتیں کھا کر بھی تو میں ان کا کہنا بالآخر مان لیتی ہوں تو شروع سے ہی کیوں نہیں مان لیتی ۔۔۔ میرے دل میں انکار کا جذبہ آخر پیدا ہی کیوں ہوتا ہے ۔۔۔ آخر میرے ساتھ کی یہ سب لڑکیاں بھی تو ہیں۔ جمالن، چھنو، صابرہ، دلارن، بیگو یہ تو اماں کی ہر بات سن لیتی ہیں بلکہ لڑ لڑ کر زیور کپڑا مانگتی ہیں محفل سجتی ہے تو جان جان کر پھیرے لگاتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مردوں کی نظریں ان پر پڑیں یوں چلیں گی کہ کسی نہ کسی مرد سے ان کے جسم کا کوئی حصّہ ضرور مس ہو جاتے۔ کوئی انہیں تحفہ دے دے تو کس طرح خوش ہوتی ہیں ۔۔۔ اکیلے دُکیلے میں مردوں سے لپٹ بھی جاتی ہیں ۔۔۔ میں کیوں ان سب جیسی نہیں بن جاتی ۔۔۔ اماں کی آخر کتنی گالیاں، کتنی گھڑکیاں، کتنے کوسنے، کتنے تھپڑ میرا مقدر بنیں گے ۔۔۔ سامنے اماں کھڑی تھیں۔

"اے ہے کیا چاند سا چہرہ نکل آیا ہے میری بچی کا ۔۔۔ دیکھو بھلا کبھی کبھی بے آرامی بھی حسن کا باعث بن جاتی ہے ۔۔۔ نہ نیندیں یوں کم ہوتی، نہ چہرہ یوں زرد پڑتا ۔۔۔ اچھا بٹیا اب اُٹھ کر جلدی سے چوڑی دار پاجامہ کرتا اور کرن بانکڑی والا دوپٹہ تو اوڑھ لے!"

چوڑی دار ۔۔۔؟ حیا سہم کر بولی۔

"اے وہی تو کہوں بیٹی۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے سے جسم کے صحیح نقوش اُبھر کر آتے ہیں ۔۔۔ ماہر درزی کی سلائی ہو تو پتہ ہی نہیں چلے ہے کہ پاجامہ کدھر اور جسم کدھر۔ بس یوں چپک جاتے ہے ۔۔۔ اری بٹیا تجھے کتنا سمجھاؤں کہ مرد کو پرچانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بس سارا گُر ایک ہی گر میں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ مت آؤ۔ وہ دو قدم آگے آتے، تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ تمہاری آنکھوں کی تعریف کرے تو اُس پر سے اپنی آنکھیں ہی ہٹا لو ۔۔۔ وہ مُٹ مُٹ تمہیں دیکھتا رہے، دیکھتا رہے، تم ایک آدھ چھوٹی سی نظر یوں ہی پھینک دو،

یوں کہ وہ یہ حرکت تمہاری دیکھ ضرور لے ـــــ لیکن پھر انجان بن جاؤ اور کن انکھیوں سے محسوس کرتی رہو کہ وہ دیکھ تم ہی کو رہا ہے ـــــ جال میں پھنسے طائر کی طرح اسے تڑپنے دو، مچلنے دو، جال تنگ سے تنگ کرتی جاؤ، آزاد مت کرو ـــــ" انہوں نے لفظ آزاد پہ زور دے کر پھر سے کہا " آزاد مت کرو ـــــ کیوں؟ کیوں کہ ایک بار وہ پرندہ ہاتھ سے نکل کر اُڑ گیا تو سمجھو ہار ہو گئی، اور بٹیا ہمارے پیشے میں عورت کی ہار، اس کی موت ہے اور موت سے بچنا ہے تو مرد کو تڑپاؤ، اور مرد کو تڑپانا ہے تو جسم کا سہارا لو۔ اور سنو بیٹے کی بات. جسم بھی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری تمہارے چہرے کی دولت ہے۔ یہ چہرہ ـــــ یہ عورت کا چہرہ کسی افسوں سے کم نہیں ـــــ اس میں جڑی ہوئی بظاہر یہ بے ضروری آنکھیں مگر یاد رکھنا کارزارِ حیات کے سارے فیصلے اسی میزان کے سائے میں ہوتے ہیں ـــــ بظاہر ایک چھلکتی ہوئی سی نگاہ اچھے خاصوں کو منزل سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر دو ہونٹ عورت کا انمول ترین خزانہ۔ یہ شانے پر ہی آ جائیں تو مرد کی کیا ہستی ہے بے چارے کی ـــــ دھیرے سے کھلتے ہوئے ہونٹ اور بند ہوں تو ہلکی سی مسکراہٹ کی آنچ دیتے ہوئے ہونٹ۔ یاد رکھنا بیٹی، شراب و راب میں کچھ بھی نہیں دھرا ـــــ شراب کا لبریز، حواس گم کر دینے والا پیالہ تو خود عورت کا وجود ہے۔ جس میں چہرہ سرِ فہرست ہے۔ میں نے ناک کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے نہیں کیا کہ اس میں ایک چھوٹی سی نتھنی ہوتی ہے، جو مرد کو اپنے گھیرے میں باندھ لیتی ہے اور نتھ اُتر جائے تو نکیل ناک میں پڑ جاتی ہے ـــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ عورت مرد کی پسلی سے، دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس لئے دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مرد کے دل پر راج کرے ـــــ نہیں تو وہ مالک وہ کارساز جس کا رچایا ہوا یہ سارا کھیل ہے، وہ عورت کو مرد کے پیروں سے قدموں سے بھی پیدا کر سکتا تھا تاکہ ساری عمر پیروں میں رُلتی رہے۔ لیکن نہیں وہ دل کے قریب سے نکالی گئی ہے، تاکہ دل پر بادشاہت کرے۔ اور تم بھی عورت ہو ـــــ خوبصورت جسم اور گمراہ کن چہرے کی مالک ہو، اس لئے بٹیا بادشاہی کرو۔ ایک زمانے کو اپنے

قدموں میں جھکالو کہ بادشاہی کے آداب ہی یہ ہوتے ہیں کہ غرور سے تنے ہوئے سروں کو اپنے حضور جھکایا جائے ۔ کہ خود سر بسجود ہو جایا جائے ۔ اُٹھو ــــ میں نے دُنیا دیکھی ہے ۔ دُنیا نے بھی مجھے دیکھا ہوگا ۔ لیکن میں نے دُنیا کو زیادہ غور سے دیکھا ہے اور زیادہ سمجھا ہے اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ نواب شوکت یار جنگ تو تم سے دل ہار ہی بیٹھے ہیں ۔ لیکن تم بھی ان کے سحر میں آ گئی ہو اور یہی چیز غلط ہے ، بلکہ سب سے غلط چیز یہی ہے ۔ لوگ مندر میں ماتھا ٹیکنے آتے ہیں ۔ مندر خود کسی کے آگے نہیں جھکتا ــــ " حیا نے گھبرا کر سر اُٹھایا ۔ نعمانی بیگم نے بغیر سانس لئے اپنا بیان جاری رکھا : " میں تمہاری ماں ہوں ۔ جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں ۔ تمہاری بھلائی ہی چاہوں گی اور جو تم مذہب مذہب کی دہائی دیتی پھر رہی ہو تو یہ تم نے خود ہی مذہب میں پڑھا ہوگا کہ ماں بہر حال ماں ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ــــ عاقبت کی خبر خدا جانے ــــ اس دُنیا میں تو کم از کم میں تمہیں جنت بخش دُوں اور جنت کے حصول کے لئے صرف دولت درکار ہوتی ہے تمیا صرف دولت ــــ اور جب کہ دولت خود تمہارے دروازے تک چل کر آتی ہے ، اسے یونہی نہ ٹھکرا دینا ! "

نواب شوکت یار جنگ سخت بے دلی سے بیٹھے ہوئے تھے ــــ وہ ان نوابوں میں سے تھے جو خود کسی طوائف کے در پر جبہ سائی کرنے نہیں جاتے ــــ چھن چھن روپیہ گن دو ــــ ناچنے گانے والیاں خود ہی حاضر ۔ یہاں دِل چوٹ کھا گیا تھا ــــ روک ٹوک کسی کی نہ تھی ۔ سیدھے اُٹھ کر چلے آتے ــــ عجیب اٹ پٹا سا ماحول تھا ۔ جس دیوان خانے میں وہ بیٹھے ہوئے تھے ، وہ صاحبِ خانہ کے حسابوں بڑی اچھی طرح سنوارا گیا تھا ۔ مگر وہ سخت بد مزہ ہو رہے تھے ــــ دیوان پر جو سیج نما بستر لگا ہوا تھا اس کے پیچھے ہاتھ کے رنگے گلابی ململ کے ٹکڑوں سے گلاب کے پھول بنا کر دیوار گیریاں بنائی گئی تھیں ــــ دیواروں کو گوند سے کپڑا چپکا کر بالکل ڈھانپ دیا گیا تھا ۔ اور اس پر

جا بجا دبی گلاب کے کیڑے والے پھول ٹانک دیئے یا چپکا دیتے گئے تھے۔ گدا موٹا ضرور تھا لیکن جانے اس میں گھر بھر کے بیکار پھٹے پرانے کپڑے ٹھونس دیئے گئے تھے یا ناریل کے کھونچے بُرادہ اور رسیاں بھر دی گئی تھیں کہ عجیب اوبڑ کھابڑ ہو گیا تھا ——— سطح بے حد ناہموار تھی، اور کم بخت گاؤ تکیہ مرے ہوئے ہاتھی کے بچے کی طرح پسرا پڑا تھا ——— وہ نشست جمانے کے لئے بار بار کہنی کے نیچے سے کونے میں بھرنے کے لئے تکئے کو سمیٹتے اور وہ پہلو سے نکل بھاگتا ——— ایک طرف کھونٹی پر مردہ باسی ہار لٹک رہے تھے۔ چلو لٹک رہے تھے تو ٹھیک تھا۔ مچھروں کے پرے کے پرے آ کر ان پر جھول رہے تھے جو ہاروں سے کبھی کبھار بے زار آ کر نواب شوکت یار جنگ کے جھنڈ بالوں پر دھاوا بول دیتے ——— پاندان، ناگردان، اگال دان غرض کئی دانوں کی قطار سجی کھڑی تھی جو انہیں سخت بے ڈھنگی لگ رہی تھی۔

"عجیب نااہل لوگ ہیں ———" انہوں نے الجھ کر اپنے آپ ہی سوچا ——— "اگال دان کسی چیز کی اوٹ میں رکھ دیتے یا دیوان کے نیچے کھسکا دیتے ——— یہاں رکھنے کی کیا تک تھی ——— خواہ مخواہ دیکھ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے"

نیچے دوسرے گدیلے پر ایک طرف ہارمونیم، مردنگ، دو تول طبلے، دایاں، بایاں، سارنگی اور ایک ڈھولکیا پڑی ہوئی تھی۔ چینی کے آڑے ٹیڑھے ناہموار ٹکڑے فرش میں جڑے ہوتے تھے اور ناچنے کے لئے ایک گول دائرہ سا بنا دیا گیا تھا ——— ایک طرف دیوار سے گھنگرو بھی لٹک رہے تھے ——— سخت بیزار کن ماحول تھا ——— اور اگر اس سے بھی ہزار گنا، لاکھ گنا بیزار کن ماحول ہوتا بھی تو کیا تھا اگر نگاہ اٹھانے پر ایسی حسین اور سر سے پیر تک سہونے میں بتی مورتی نظر آ جاتی جو کہ اس وقت نظر آ رہی تھی اور نواب شوکت یار جنگ پلک تک جھپکنا بھول گئے تھے۔ اس وقت پلک جھپکنا گویا خدا کی نعمتوں سے ناشکر گزاری کا اظہار ہوتا ——— گہرے ہرے چمکیلے ساٹن کا پنڈلیوں پر کسا ہوا پاجامہ

اسی رنگ کا کمر سے تنگ اور نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کئے دے رہے تھے ـــــ جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پہ کرن بانکڑی کی جھالر سجی تھی ـــــ وہ جھالر پھول چہرے کو چاند چاند کئے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک تہ در تہ اسرار تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں، ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان پر بے پر شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ـــــ وہ یوں ہی کھڑی کی کھڑی انہیں بڑے سارے اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے سوچتے رہے کہ اپنی شادی کو بیسیوں سال ہوگئے ـــــ شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی ـــــ شاید وہ اس سوال پر کار بند رہتے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے ـــــ

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھجکنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گا رہے۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہتے لگا ہے"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نا اہل نے محفل کا رنگ سمجھا نہ اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ در اصل مجھے غم سے اُنس ہے۔ اس کی لہر مارتے پانی کی طرح صاف و شفاف آواز، اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر وہ اپنے آپ سے ذرا خجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی ـــــ یہی حیدرآباد دکن ـــــ" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آگئی۔ نواب صاحب نے

اسی رنگ کا کمر سے تنگ اور نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کیے دے رہے تھے ـــــ جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پر کرن بانکڑی کی جھالر لگی تھی ـــــ وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند چاند کیے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک تہہ دار طرح تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں۔ ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان پر یہ شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ـــــ وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے سارا اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے پچتے رہے کہ اپنی شادی کو کیسے ٹالیں ـــ شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی ـــــ شاید وہ اس مسئلہ پر کاربند رہے تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے ـــــ

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھینپنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گاتے۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہتے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کا رنگ سمجھا نہ اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے۔" اس کی لہر مارتے پانی کی طرح صاف و شفاف آواز۔ اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر وہ اپنے آپ سے ذرا خجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی ـــــ یہی حیدرآباد دکن ـــــ" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آ گئی۔ نواب صاحب نے

انہیں نظر انداز کرتے ہوئے حیا سے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"آپ لہجے اور بات چیت سے تو حیدرآباد کے نہیں دکھتے۔"

"اے حضور بات سے بات نکلتی ہے دیکھئے نا، مرد کی فطرت میں خداوند قدوس نے تنوع پسندی اور رنگا رنگی رکھ دی ہے۔ آپ جیسے قدر داں جب زحمت اٹھا کر آتے ہیں تو یقینی اپنے ماحول سے ہٹ کر نیا پن چاہتے ہیں۔ آپ کے گھر کی بیگمات اب دکنی اُردو تو بولتی ہی ہوں گی ــــ یہاں آکر آپ کو ایک نیا پن ملا نا ــــ آپ کا دل خوش ہو یہی ہماری زندگی ہے ــــ پھر نانی بیگم نے بطور خاص نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کہا "جب آپ سے کم تر لیکن لکھنؤ، دہلی یا شمال کے رئیس اُمرا آتے ہیں تو میں بٹیا کو کہتی ہوں کہ ان سے دکنی اُردو میں بات کرے کیوں کہ یہ چیز ان لوگوں کے لئے انوکھی اور دل کھینچ ہوتی ہے۔ میری بٹیا دونوں طرح بڑی روانی سے بولتی ہے ــــ آپ پسند فرمائیں تو وہ آپ سے آپ ہی کے ماحول کی بات کرے ــــ"

نواب صاحب بیزار ہو کر بولے: "ہم کو ان کی زبان سے زیادہ بے زبانی پسند ہے"

وہ بہر حال ایک نواب تھے اور دل کی بات دل میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ذرا رُک کر بولے:

"اور آپ باتاں بہت کرتے ہیں"

"اے حضور، ساری زندگی ان باتوں ہی کی تو کمائی کھائی ہے"۔ یا بے غیرتی تیرا آسرا۔ وہ مذمت کو بھی جان بوجھ کر تعریف کے زمرے میں گھسیٹ لے گئیں۔ ایک دم انہوں نے ذرا زور سے پکار کر کہا:

"اے وزیرن ــــ لڑکیوں میں سے کسی کو بھیجو۔ چائے پانی کا کچھ تو انتظام کرو نیک بختو!"

جھجکتی جھجکتی ہوئی آئی اور بولی: "اماں بی بی ــــ نگوڑی چابیاں ہی جنے پڑ گئیں ہے"

"وزیر ہی سے پوچھا ہوتا ـــــ" وہ بن کر دنا فیکر مندی سے بولیں۔ یا ظہور ن سے پوچھ لو ـــــ"

"آتی میرے کو کیا معلوم ماں ـــــ میں کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ سالے چھوکریاں دن بھر لستر گھوس لیتے پھرتے۔ وینچ میں ہوں گی۔ چادراں اُٹھا کو دیکھے کیا؟" ماما بی نے حلفیہ بیان دُور ہی سے اتنی زور سے دیا کو نواب صاحب تو دہی بول اُٹھے۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی ـــــ چابیاں کھو گئے تو کیا فرق پڑ گیا ـــــ لیجئے یہ بھی آپ ہی کا روپیہ ہے۔ اور انہوں نے پورا بٹوہ ہی انڈیل دیا۔

حیا نے بڑی تکلیف سے اماں کی طرف دیکھا ـــــ موہنہ سے کچھ نہ بولی۔

موہنہ سے بولنے کی وہ قائل تھی بھی نہیں ـــــ بعض لوگوں کو خدا ایسی آنکھیں دیتا ہے جو کئی زبانوں پر بھاری ہوتی ہیں اور حیا کی آنکھیں بھی انہی آنکھوں میں سے تھیں ـــــ

اس دن جب نواب شوکت تشریف لائے تو زمانی بیگم نے جان بوجھ کر بٹیا کو تنہائی کا موقع بخش دیا۔

"یاد رکھو!" انہوں نے تنبیہہ کی: "تنہائی مرد کو شیر بنا دیتی ہے اور وہ اپنے شیر ہونے کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھول پاتا ـــــ شکار پر جھپٹ پڑنے کو بے قرار ہوجاتا ہے ـــــ اب یہ تیرا کام ہے کو تو کس طرح اپنے آپ کو بچاتی ہے۔ جب تک بچی رہے گی ابھی تک وہ گھومتا رہے گا ـــــ آگے پیچھے پیچھے آگے۔ ایک بار اس کے ہاتھ تیرے گریبان تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کو تیرے سارے منتر اور داؤ اوچھے پڑ گئے"۔

حیا نے سوچا: "یہ میری ماں ہے!"

نواب صاحب آتے۔ ان کے آنے میں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کئی لوگ آتے ہیں

لیکن جب وہ جانے لگے تو حیا کو احساس ہوا کہ امّاں کی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں نے شاید غلط نہیں سمجھا تھا ـــــ انہوں نے تو جانے کے لئے صرف دیوان چھوڑا تھا۔ حیا کو لگا کہ اس کے دِل نے اپنی جگہ ہی چھوڑ دی ہے۔

جاتے جاتے وہ بڑی لگاوٹ سے بولے :

"آپ کوئی بات تو کرتے ہی نہیں ـــــ ہمارا آنا جانا سب بے کار ہی لگتا ہے ہم نا ـــــ"

حیا صرف مُسکرا کر رہ گئی ـــــ وہ دروازے تک پہنچ کر عجیب سے ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"خدا کے واسطے ایسے مت مُسکرانا کبھی ـــــ کبھی بھی نہیں ـــــ ہم دِل کے بہت کچے آدمی ہیں ـــــ"

حیا نے وہیں کھڑے کھڑے امّاں کی ساری نصیحتوں کو بُھلا کر بے چارگی سے کہا :

"کچھ دیر اور نہیں رُکیے گا ؟" نواب صاحب جیسے اسی ایک جُملے کے مُنتظر تھے۔ تیزی سے پلٹے اور قریب آکر اس بُری طرح حیا کو لپٹایا کہ اس کی سانس اس کے سینے میں گھُٹ گئی ـــــ

ایک طوائف کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ جملہ نہیں کہہ سکتی :

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا" اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی ہی یہ ہے۔ کوئی دیکھے گا بھی تو کچھ نہیں کہے گا ـــــ کیوں کہ وہ جس منڈی اور جس بازار کی مسند پر بیٹھی ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے شرم ہی نیلام ہو چکی ہوتی ہے ـــــ لیکن یا تو یہ تھا کہ حیا کے دِل نے اُسے طوائف ہی نہیں مانا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ شرم و حیا کی پونجی اُس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ سسکا کر بولی :

"خدا کے لئے نواب صاحب کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــــ" نواب صاحب

اس وقت ایسی سلطنت کے بادشاہ تھے جس کے چھن جانے کا دُور دُور تک شائبہ
خوف نہ تھا۔ بڑے مضبوط لہجے میں بولے:
"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا —— یہی کہے گا کہ ایک دُولہا اپنی دُولہن کو
پیار کر رہا ہے۔"
"نہیں ——"
"نہیں —— نہیں ——"
وہ چیخ اٹھی: "یہ جھوٹ ہے —— یہ جھوٹ ہے —— میری دُنیا کی کسی عورت
نے آج تک اتنا بڑا فریب نہیں سہا۔" اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے —— اس کا
نازک وجود کانپے جا رہا تھا ——
"میری دُنیا —— ؟" نواب حیرت سے بولے۔
"تمہاری دُنیا —— ؟ وہ کون سی دُنیا ہے؟ نادان لڑکی ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے
لئے تو ہماری تمہاری دُنیا تو ایک ہو گئی نا؟"
اس نے دھڑ دھڑ دھڑکتے دِل کو تھاما۔
"کان یہ کیسی انہونی باتیں سُن رہے ہیں خُدایا۔ کہیں گر کر بے ہوش نہ ہو جاؤں ——
اس نے دیوان کے کونے میں ٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔
"آپ کو پتہ ہے نواب صاحب۔ یہ ہماری محض تیسری ملاقات ہے۔"
"جی ہو —— پھر؟" وہ حیرت سے بولے۔
"اور تین ملاقاتوں میں ہم نے ساری باتیں جوڑیں تو پانچ منٹ بھی باتیں نہیں
کی ہیں۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے —— پھر؟"
"آپ کو تو ابھی یہ بھی اندازہ نہیں کہ میں کون ہوں۔ کیا ہوں۔ قدرت نے مجھے کس

مقام پر بٹھایا ہے ـــــ میرے شب و روز کیسے گزرتے ہیں ـــــ میرے ان ہاتھوں پر ہر روز کس کس کے نام کی مہندی رچائی جاتی ہے ـــــ کب کس کے پھینکے گئے روپیوں کی جھنکار پر میرے قدم تھرکتے ہیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ابھی تک اپنے آپ کو کھویا نہیں ہے ـــــ لیکن سرکش ہواؤں کے زوردار تھپیڑوں کے آگے کب تک میں اس قندیل کو جلائے رکھ سکوں گی ؟ اس بازار کے خریداروں میں آپ بھی تو نہیں ہوں گے اور پھر یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ پھل پک جائے تو اُسے توڑ لیا جاتا ہے ۔" اس کے خوب صورت جملوں کی کاٹ سے نواب صاحب سراسیمہ ہوتے جا رہے تھے ـــــ وہ چپ ہوئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے بازو ہی آ کر ٹک گئے ۔

"ہم خود مختار ہیں ـــــ" وہ آہستہ ہی بولے ـــــ اس نے ہلکی سی قاتل مسکراہٹ سے انہیں دیکھا ۔

"اپنے محل کے بڑے بھی ہمی ہیں ـــــ چھوٹے بھی ہمی ـــــ ہم اگر تم کو اپنا لیں تو ہمیں کون منع کرنے چلا ؟"

"آپ نے تو در اصل اس سلسلے میں مجھے بلوایا تھا نا کہ آپ اپنی شادی کے جشنِ مبارک کے موقع پر اپنے حلقہ احباب میں میرا رقص اور سنگیت پیش کرنا چاہتے تھے ـــــ آپ بھول گئے ہوں تو یاد دلا دوں ۔ اگلے مہینے کی ہی کسی تاریخ میں آپ کا عقدِ مسعود منعقد ہوگا اور میں حسبِ وعدہ اس میں ناچوں گی ـــــ آپ کے احباب اور حیدرآباد کے اُمراء اور روساکا دل بہلاؤں گی اور جب سجی سجائی پالکی میں آپ دُلہن کو محل لے آئیں گے اور آپ کے سہرے سے پھولوں کی پتیاں گریں گی ، اور دُلہن کے گجروں سے مسلی مسلائی کلیاں ٹوٹیں گی تو میں وہی پتیاں اور وہی مسلی ہوئی کلیاں سمیٹ کر اپنا دامن بھر لوں گی اور سوچوں گی : یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی !"

نواب شوکت چلائے : "یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی ۔ نہیں ! وہ ہوگی ۔

ہوگی اور ضرور ہوگی ـــــ"

نواب شوکت کی آواز ـــــ زور دار آواز دور سے کمرے میں پہنچی تو زمانی بیگم لپکی آئیں ـــــ دروازے پر کھنکار کر انہوں نے گویا صاف کیا تاکہ بے ترتیب حالت میں ہوں تو نواب صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ جائیں لیکن وہ خود ہی سنبھلے سنبھلاتے تھے ـــــ البتہ حیا کی آنکھیں خوشی غم اور ناقابلِ یقین خوش آئند واقعات کے احساس سے گیلی گیلی سی تھیں۔

"اے حضور ـــــ میں نے کہا نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی ـــــ جی ـــــ نہیں تو ـــــ ہم بالکل اچھے ہیں۔ خدا کی مہربانی ہے۔ اب ہم چلیں گے ـــــ"

"اے ہے قبلہ ـــــ ابھی آئے ابھی چل دیئے ـــــ ابھی تو رات نے اپنی آنکھیں کھولی ہی ہیں۔ ابھی تو جیسے جیسے رات کی زلفیں اپنی سیاہی کو گہرا کریں گی، ویسے ویسے چاہتوں کے اُجالے دلوں کو روشن کریں گے ـــــ پھر رات چڑھ لے تو حضور ٹیلے رات کا راگ اور مالکونس سنیں یا چاند کونس یا مدھ کونس سن لیں ـــــ اُترتے سُروں کے دل میں گھر بنانے والے راگ تو سرکار آدھی رات کو ہی سُنے جاتے ہیں۔ اور درد کی وہ لذت بخشتے ہیں کہ آنکھوں تک آئے ہوئے آنسوؤں کو بھی انسان دوبارہ دل میں انڈیل لے اور حضور آنسو بہہ گیا تو دل صاف اور ہلکا ہوگیا۔ مزا تو یہی ہے کہ آنسو آنکھ کی بجائے دل میں کھنکتا رہے ـــــ کھنکتا رہے۔ سارے وجود کو رُلاتا رکھے۔ مگر آپ نہ بہے ـــــ" وہ اٹھ کر سازوں والے گدیلے پر جا بیٹھیں۔

"آؤ بیٹی ـــــ نواب صاحب آئیں اور یوں ہی چلے جائیں ـــــ فقیروں کی سوغات تو یہی سُر ہیں ::

اس عرصے میں نواب شوکت بار بار آتے اور ہر بار تہی دامن لوٹتے ـــــ وہ ہر بار

اطلاع کروا کرآتے ـــــ پہلے خادمِ خاص اُن کا سندیسہ آکر پہنچا جاتا ـــــ پھر سورج ڈھلتے ڈھلتے ان کی شاندار بگھی بھی چوک پہنچ جاتی ـــــ زمانی بیگم روز کی طرح کلے ٹھسّے سے سجی بنی، اپنی ساری قوم کو بھی سجائے بنائے رکھتیں ـــــ حیا کو ٹھیل ٹھال کر جبراً تیار کروانا پڑتا ـــــ اُن کی ایک بھی ادا تو کم بخت میں نہیں آئی تھی ـــــ اور یہی غم انہیں کھائے جاتا ـــــ نہ پہننے اوڑھنے کا شوق نہ کھانے کھیلنے کا ـــــ نہ مردوں سے آنکھیں لڑانے کا نہ چونچلے دِکھانے کا۔ اس عمر میں تو شریفوں کی لڑکیاں بھی بہن اوڑھ کر غلیرے، ممیرے پھپھیرے بھائیوں کو اپنی چھب جھَبِل دکھا کر نخرے کر کے دل جیتنا چاہتی ہیں ـــــ یہ زنڈی زادی ہو کر بھی سات پردوں میں چھپی پُرپوین کر رہنا چاہتی ہے ـــــ کیا حُسن پایا ہے کم بخت نے اور کیا جسم دیا ہے اس کو مالک نے ـــــ کیا آنکھیں دی ہیں ربِّ کریم نے اور نگاہوں کا انداز ؟ تیلی ناگن کے کاٹے کا منتر مل جاتے۔ مگر اس کے ایک اندازِ نظر کا مول نہ ملے ـــــ لیکن کم بخت نامراد ـــــ نہ سنگھار کرے، نہ کپڑے لتے میں دلچسپی لے ـــــ زیور سے تو نگوڑی کو باپ مارے کا بیر ہے ـــــ ذرا پہنا اوڑھا دوں تو میری اپنی نظر لگنے لگتی ہے، تو مردوں کا تو کیا حال ہو جائے ـــــ لیکن نامراد کو مذہب کی تعلیم اور ترجمے سے قرآن شریف پڑھانا ہی حرام ہو گیا ـــــ رقص نہیں کریں گی کیوں ؟ بدن گھس جاتا ہے! ہوں شریف زادی! بار ـ ـ ت میں مجھی کو اُلٹے طعنے دے گی ـــــ ہونہہ ـــــ شادی کر کے بچے پیدا کرے گی ـــــ ہانڈی ڈوئی کرے گی ـــــ اسی لئے نامراد پر اتنی محنت کی ـــــ نہ دِن کو دِن سمجھا نہ رات کو رات ـــــ سنگیت پورا کا پورا جتنا میرے اندر تھا سب اس کے اندر انڈیل دیا ـــــ رقص کی وہ تعلیم دِلوائی کہ چاہے تو اپنے رقص کے بَل پر ساری ریاست حیدر آباد دکن کے مردوں کو تگنی کا ناچ نچوا دے ـــــ لیکن اڑیل ٹٹو نے تب نا ـــــ زیادہ جور جبر کرو تو رونے بیٹھ جاتی ہے۔ روئے تو منہ سوج کر تھتھا بن جاتا ہے۔ پھر مرا گاہک آتے تو کیسے اس کا دِل آئے ـــــ ایسے شاعرانہ مزاج کے لوگ کتنے آتے ہیں جو روتی روتی آنکھوں اور

سوگوار حسن پر اپنا آپ فدا کر دیں ——— ہونہہ ——— اُس دن نواب صاحب نے مالکنس شُدھ کلیان سُن کر کیا کیا تعریفیں کی تھیں ——— ڈھلتے سُورج کی سونا بکھیرتی کرنوں کا جال تھا، اور راگ کیدارا ——— ہے ہے نواب شوکت تو جی جی کر مرے اور مَر مَر کر جئے۔ ان کے لئے بعد میں میں نے یوں ہی اس کا دِل بڑھانے کو کہا کہ دیکھا نواب صاحب کی کیا حالت ہو رہی" تو اُنشا مجھی سے کہنے لگی: "ساری زندگی ٹھنڈے پانی کو ترسا ترسا کر آپ نے مجھے مارا ہے سدا گرم پانی پلایا کہ ٹھنڈے پانی سے گلے کی رگیں مرجاتی ہیں اور گانا ٹھیک سے نہیں گایا جاتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے خداوند تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت، ٹھنڈے پانی سے محروم رکھا ہے۔ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سَرد پانی بے حد عزیز تھا ——— کیسی بدنصیب ہوں میں کہ ایسی آسان سُنت کو بھی نہ اپنا سکی ———"

"اے لو ——— ٹھنڈا پانی پلا پلا کر کیا مجھے اس کی جوانی اور اپنا بڑھاپا خوار کرنا تھا ——— اب میں کہوں کنکنے پانی میں بھلا کیا بُرائی ہے ——— کیا ہم نے نہیں پیا ——— لیکن نہیں، وہ تو مجھے رسوا کرنے پر ہر بات میں بس مذہب کو لے دوڑے گی ——— اب آج کم بخت ذرا تو ہیچر میچر کرے ——— آج یا وہ نہیں یا میں نہیں ——— اور اسی تہیہ کے ساتھ وہ اُٹھ کر حیا کے کمرے میں پہنچیں۔

"حیا بیٹی ———" انہوں نے بڑے دُلار سے اسے مخاطب کیا ——— لیکن حیا کو دیکھتے ہی وہ ہک چک رہ گئیں ——— آج حیا بارہ ابرن اور سولہ سنگھار کئے دُولہن بنی، جنت کی شگفتہ حوروں کو شرما رہی تھی۔ ساری زندگی سے مردوں کی رگ رگ کا بھید جاننے والی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایک مرد نے اپنا وار چلا دیا ہے ——— نتھ اُترنے تک ہر شام کو طوائف زادی کو سنگھار پٹار کے لئے اکسانا اور رجھانا پڑتا ہے۔ جب طوائف زادی خود سے آئینے کے سامنے جا بیٹھے تو سمجھو کہ نتھ خطرے میں ہے ——— ایک شریف زادی کی طرح، نتھ کی بھی اپنی ایک عزت ہوتی ہے اور اسے عزت کے ساتھ اُتارا جانا چاہیئے۔ نتھ اُترنے کی

عزت یہ ہے کہ ایک موٹی رقم اور تمام جہام کے ساتھ اُترے ——— یہ نہیں کہ بات کے سناٹے میں دو ہاتھ بڑھیں، بدن پر سرسرائیں ——— سانسوں سے سانسیں ٹکرائیں، جسم کا کورا پن مٹیں اور نتھ جہاں کی تہاں!

زمانی بیگم جہاں دیدہ تھیں ——— ایک لفظ بھی نہ بولیں ——— بلکہ اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بیٹی کے اس انداز سے بہت خوش ہوئی ہیں، اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتی ہوئی دوسری لڑکیوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

نواب شوکت آئے ——— مدتوں بیٹھے رہے ——— جھنو، دلارن، صابرہ اور جنے کون کون سڑی ماری لڑکیاں، پھوہڑ پن سے سجی بدسلیقگی سے سنوری آآکر بیٹھتی، بیٹھ بیٹھ کر اُٹھتی گئیں ——— لیکن وہ نہ آئی جس کا انہیں انتظار تھا۔

ادھر حیا ستارہ کے تار کی طرح تنی بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں کے آؤ کی جاؤ کی سے اسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ نواب صاحب بھی کے آتے بیٹھے ہیں لیکن کوئی اسے نیوتہ یا سندیسہ دینے نہیں آیا ——— کیوں نہیں آیا؟ یہ وہ جان نہ پائی اور لاکھ وہ ہزار جانوں سے نواب صاحب پر فدا ہو چکی تھی وہ یہ کبھی گوارا نہ کر پاتی کہ خود سے بنا بلائے چلی جائے ——— اماں کی تعلیم کو اس نے سدا اس کان سے سن کر اُس کان سے اُڑا یا تھا لیکن محبت کے اس وقار کو تو وہ خود بھی جانتی اور مانتی تھی کہ محبت میں پہل اور پیش قدمی عورت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیئے ——— اُسے یقین تھا کہ اُدھر نواب صاحب بھی اس کے لئے بے چین ہو رہے ہوں گے؛ ——— اس کا فن ابھی تک فرش اور مسند تک ہی محدود تھا۔ بستر تک نہیں پہنچا تھا۔ فرش جہاں

وہ رقص دکھاتی ـــــ مسند جہاں بیٹھ کر وہ موسیقی کا سحر گھولتی ـــــ اٹھارہ سال کی وہ ہو چکی تھی۔ لیکن بستر اکیلا تھا ـــــ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں کہ فرش اور مسند سے اٹھا کر اسے بستر تک پہنچا دیں ـــــ لیکن وہ آج تک اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب رہی تھی ـــــ زمانی بیگم ادھر اپنے حسابوں یہ سمجھتی تھیں کہ میں بٹیا کو سنبھال سنبھال کر رکھ رہی ہوں اس لئے کہ موٹی گانٹھ دیکھ کر نتھ کا پورا مول لوں گی۔ حالانکہ حیا کو ہنسی کبھی آتی تھی۔ لاکھ اپنے وعظوں اور تجربہ کارانہ اسباق و سباق کے باوجود اماں شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ طوائف کی دنیا میں وہ عورت ہوتی ہے جو اندھیرے اجالے اکیلے دکیلے کہیں بھی بے دھڑک آجا سکتی ہے کہ اسے عزت لٹنے کا ڈر نہیں رہتا ـــــ کوئی شریف لڑکی یا عورت اندھیرا پڑتے ہی سر راہ جانے سے ڈرتی جھجکتی ہے کہ کہیں کوئی عزت نہ لوٹ لے ـــــ عزت لٹنے سے ہی تو ٹوٹتا ہے، جس کے پاس عزت ہو ـــــ طوائف کیا اور اس کی عزت ہی کیا ـــــ اب اماں جو مجھے زمین میں گڑے دفینے کی طرح سمجھ کر سانپ بن کر پہرا دیتی رہتی ہیں، اگر میں کہیں اپنی عصمت کا موتی کھو آؤں تو کیا ہوگا؟ یہی نا کہ اماں کو نتھ اتارائی کی موٹی رقم نہیں ملے گی۔ چوک میں کوئی زلزلہ نہیں آجائے گا ـــــ لوگ اپنا کام کاروبار نہیں چھوڑ بیٹھیں گے ـــــ دنیا تہہ و بالا نہیں ہو جائے گی۔ میں کبھی بھی رہوں گی ـــــ کیا میں بدل جاؤں گی؟ اس زندگی میں آخر رکھا ہی کیا ہے ـــــ کب تک یہ عزت سنبھلی رہے گی؟ اور کون بے حس ہوگا جو مجھے خرید لے جائے گا ـــــ ایک دم بے پناہ اس کا جی چاہنے لگا ـــــ مجھے کوئی نہ خریدے ـــــ مجھے کوئی ایک پائی تک نہ دے ـــــ بس مجھے نواب شوکت بیاہ لے جائیں ـــــ چاہے وہ پڑھالے میں ایک ماشے کا زیور نہ لائیں ـــــ چاہے آڑے ڈنڈے کی کھڑی ڈولی میں بٹھال لے جائیں۔ موٹے جھوٹے سرخ ململ کا مہندر گھونگھٹ اور مدرے کا جوڑا چوکھی کے تھال میں سجا کر لائیں، لیکن اپنی دلہن بنالیں ـــــ

خیالات کی ایک رو تھی کہ اسے بہائے لئے جاتی تھی ـــــ اسی سوچ میں پتہ نہیں

کس انجانے جذبے کے تحت اس نے اپنے ماتھے تک اپنا کاملدار دوپٹہ کھینچ لیا ـــ کوئی دیکھتا تو سمجھتا پلنگ پر کوئی دلہن بیٹھی ہے ـــ اسی لمحے کسی نے اس کا سچ مچ ہی گھونگھٹ اُٹھا دیا ـــ اس نے چونک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سرعت سے کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں ـــ؟" اس کے حیرت زدہ انداز پر نواب شوکت ہنس پڑے۔

"کیوں ہم ہی تو ہیں ـــ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟" اس نے ذرا ڈر کر اِدھر اُدھر دیکھا ـــ بولی کچھ نہیں ـــ نواب شوکت ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے:

"آپ کے اماں جان سے پوچھ کر ہی ہم یہاں آئے ہیں"

حیا سخت حیرت زدہ ہو رہی تھی ـــ وہاں دیوان خانے میں تو نہیں بلوایا اور یہاں خود سے بھجوا دیا۔

ایک دم اس کا خون کھول اُٹھا ـــ وہ ماں کی چال سمجھ گئی ـــ اس کمرے میں، اس کے خاص کمرے میں جو اس نے بے حد نفاست سے سجا رکھا تھا جو اس کی نفاست پسند طبیعت اور پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا جو سدا خوشبوؤں سے مہکا رہتا تھا ـــ جس کے بستر پر بے حد سفید جھاگوں ایسی چادر اور جھالروں لگے سفید اور ملائم پروں والے تکئے سجے رہتے تھے۔ پاشتی ریشمی سفید دُلائی تہہ کی ہوئی دھری رہتی تھی اور سدا ہر موسم کے پھولوں کے گجرے سرہانے جھکتے رہتے تھے اور پھر وہ تو خود ایک کلی کی طرح نازک اور کلی ہی کی طرح اپنی خوشبو آپ چھپائے اسی بستر پر سجی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ یہ سارا ماحول ایک مرد ایک ترسے ہوئے مرد کے لئے کیا اُبھر کر رہ گیا تھا

اس کے وجود میں چنگاریاں بکھر گئیں: "آج مجھے نہ بلا کر اکیلے میں اماں نے کہیں تھا اثر والی کی بات تو نہیں کی ـــ" اس نے اپنے شک و شبے کی گرد جھٹکنے کی کوشش نہ کی تو نواب صاحب خود ہی بولے:

"تمہارے چہرے پر سوچ بچار کیوں ہے یہ؟" وہ وہیں، اُس کے اپنے کنوارے

بستر پر ـــــ اس کے کنوارے جسم کے بے حد قریب بیٹھ چکے تھے ـــــ وہ ذرا پرے کھسک کر بولی :

"جی ـــــ نہیں تو۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــ آپ کی تشریف آوری تو میرے لئے خوشی کا باعث بنے گی نہ کہ نفرت کا ـــــ" وہ جب تک یہ بات کہتی رہی وہ صرف اس کے رس بھرے ہونٹوں کو دیکھتے رہے ـــــ پھر جیسے ہار کر بولے :

"آپ کے یہ ہونٹ ہاں ـــــ پھر ایسے باتاں ـــــ خدا نے ہر چیز ـــــ ہر اچھی چیز کیا آپ کو ہی دے دی کیا ؟" وہ بُری جھینپ گئی ـــــ سچے موتیوں کی طرح سچی شرم کی بھی ایک اپنی آب ہوتی ہے ، جو چہرے کو جگمگا دیتی ہے ـــــ اس ایک لمحے میں حیا اس قدر خوب صورت ہو گئی کہ وہ پاگل ہو گئے ۔

"حیا ـــــ" وہ جذبات سے بہکتی ہوئی آواز میں بولے ، "ہم امی حضور کو بول دینے کی ابھی ایک سال تک شادی کا مت بولو آپ "

حیا ایک دم بولی : "صرف ایک سال ؟ اس کے بعد کیا ہوگا ؟ کیا ایک سال میں آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے ؟"

"اوفوہ ـــــ" نواب صاحب سر پر ہاتھ مار کر بولے ، "ہم کیا کہنا چاہے اور آپ کیا سمجھے ـــــ ہم آپ کو کیوں سال بھر میں چھوڑ دیں گے بھلا ـــــ وہ تو فقط امی حضور کو منانے کے واسطے بولے ـــــ" وہ اس کے کان کے قریب اپنا مونہہ لا کر بولے :

"ہم تو باقاعدہ آپ سے شادی کریں گے ـــــ"

اچانک کمرے میں نانی بیگم داخل ہوئیں اور تیزی سے بولیں :

"نواب صاحب شادی وہ کرے جسے اپنی زندگی خوار کرنی ہو۔ کہیں شریف زادوں نے ڈیرے دالیوں اور چوک والیوں سے زندگی نبا ہی ہے ؟ چاندنی بیٹی بول

لئے پھر تو کدھر میں کدھر ــــ میں جانتی ہوں کہ ایسی شادیاں بھی ہوتی ہیں ــــ باقاعدہ ہوئی ہیں لیکن مرد کو خدا نے بہت بڑی چھوٹ دے رکھی ہے ــــ ہے تو چھوٹا سا لفظ ــــ طلاق ــــ لیکن اس سے بڑے بڑے معرکے سر کئے جاتے ہیں ــــ" نواب شوکت حیرت سے ان کی باتیں سُن رہے تھے۔ حیا اپنی جگہ الگ خجل ہوئی جارہی تھی۔

"مجھے کوئی تو قانون ایسا بتایئے جس سے آپ میری بیٹی کا ہاتھ تھامیں تو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اُسے نہ چھوڑیں ــــ دعوتی رقعوں پر آپ بڑے کروفر سے چھپوائیں گے ــــ "شادیِ خانہ آبادی" لیکن وہ جیسی خانہ بربادی ہوگی میں ابھی سے جانتی ہوں ــــ آپ کو میری بیٹی پسند آگئی ہے تو سیدھی سی بات کر لیجئے نا ــــ یکمشت رقم نقد ادا کر دیں گے ــــ یا ماہانہ یا سالانہ ــــ ویسے . . . ."

"اماں ــــ" حیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے چلّائی کہ نواب شوکت بُری طرح چونک پڑے ــــ پھر دونوں ہاتھوں سے مونہہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو اُٹھی ــــ

"اماں بزرگوں سے تو یہی سُنا کہ عورت اور کھانا ہمیشہ ڈھانک کر رکھو ــــ لیکن اماں آپ نے تو مجھے بالکل ہی کھول کر رکھ دیا ــــ تھال میں سجا کر پیش کر دیا۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں ــــ کیا واقعی میری کوئی عزت نہیں؟" اس کا دُلہن کی طرح سجا ہوا رُوپ رونے اور دل کی جلن کے تپنے سے اور بھی نکھر آیا تھا۔ نواب شوکت کو اسے نظر بھر کر دیکھنا دُوبھر ہو گیا ــــ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے ــــ اُنہوں نے اپنا ہاتھ حیا کے شانے پر رکھا اور بڑے عزم سے بولے:

"ہم آپ کو بیاہ کر لے جائیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ سدا آپ کو ڈھانک کر رکھیں گے ــــ"

دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ـــــ چمّن خاں ٹھیکہ لگا رہے تھے ـــــ دُلارن اور بیتو تھرک رہی تھیں ـــــ زمانی بیگم نے دیکھا، پھر تج بج ہو کر بولیں: "یہ رقص ہو رہا ہے نگوڑیو ـــــ"

سانسوں سانس ہوتی ہوئی لڑکیاں رک گئیں اور حیرت سے بولیں:

"جی ـــــ؟"

"یہ پیر کیسے پڑ رہے ہیں۔ تمہارے باوا نے کبھی ایسا ناچ نچایا تھا؟"

صابرہ جیسے ہار کر بولی: "امّاں ہمارے رقص کی تو سارے رجواڑے میں دھوم ہے ـــــ"

"اے ایسی دِل میں گھر کرتی گت پر ایسا پھونسڑا رقص؟ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا۔ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا۔ آہا ـــــ ہا" وہ جھوم کر بولیں "کیا بات ہے تال کہروا کی ـــــ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ـــــ تم موئی بھینسوں کو تو ایسی لہر بہر گت پر بھی ناچ نہیں سوجھتا ـــــ میں تو موئی نبض کی دھک دھک پر بھی دُنیا کو نچا کر رکھ دوں ـــــ"

دُلارن پاؤں پسار کر وہیں بیٹھ گئی "اے سچ امّاں ـــــ بتایئے نا آپ نے اب تک کتنوں کو نچایا ہے ـــــ لگتی تو آپ اب بھی کانٹا ہیں ـــــ"

"اب بھی ـــــ؟ دیکھو بھئی اس "اب بھی" میں تو ذِلّت کا پہلو نِکلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی لیکن ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہو گئے ہم ـــــ ایسا ہی ہے تو تم میں سے کوئی لڑکی سُر نکالے ـــــ پھر میں بھی نکالوں ـــــ بیبیو۔ سا۔ رے، گا، ما، پا، دھا۔ نی تو کوئی سڑک چلتا بھی رک کر بتا دے کہ ہاں سات سُر شدھ ہیں۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھاد اور انہی کے چھوٹے۔ بچکانہ پیار کے مختصر نام کہہ لو یہ سارے گاما پا دھانی ہیں۔ لیکن کوئی یہ کر کے بتاتے اور ایسا سچا سُر

نکالے کہ بہتا پانی رُک جائے ـــــ بجھتا ہُوا چراغ دم پکڑ لے ـــــ ارے یہ نہیں تو کم از کم ہَوا ساکت ہو جائے ـــــ اب تم سے کیا باتیں چاند نکلنے پر مسند سنبھالتے تھے اور سورج کا منہ بہر دکھ جاتا تھا پر نہ سننے والوں کے دل بھرتے تھے نہ گانے والی گانے اور سُر کا حق ہی ادا کر سکتی تھی ـــــ ہائے کیا دن تھے ـــــ ایک تم تھی مُردار نہیں ہوا اور ایک وہ ہماری بادشاہ زادی ہیں ـــــ کبھی ہیں محفلوں میں گاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ نواب تخلیے میں بیوی بن کر لجائیں گی۔ شرما شرما کر بیڑے بنا بنا کر میاں کو دیں گی اور انہی کی فرمائش پر میاں کی ملہار گائیں گی ـــــ ہو نہہ"

"آپ کو یہ سب بُرا لگے گا اماں؟" جانے کب سے حیا پیچھے آکھڑی ہوتی تھی۔ اور ساری کی باتیں سُن رہی تھی ـــــ اس کی دھیمی آواز پر زمانی بیگم نے پلٹ کر دیکھا بولیں تو یہ بولیں:

"نہیں تو اچھا لگتا ہے نا ـــــ بس ٹھیک ہے اور سُنو تم ہماری ہی تھیں، تمہاری سُسرال سے سندیسہ آیا تھا۔ تمہارے سیاں آ رہے ہیں ـــــ" انہوں نے لہجے کا زہر سارا کا سارا "تمہارے میاں" میں گھول کر کہا۔

اِدھر کی رات اُدھر ڈھل گئی۔ چاند پھیکا پڑ گیا ـــــ تارے سفیدی مائل ہو کر نور کھونے لگے، لیکن نواب شوکت کی آنکھیں اس چاند کا طواف کرتے نہ تھکیں جو جگمگاہٹ میں آسمان کے چاند کو بھی نیچا دکھانے پر تلا ہُوا تھا۔

"ہم کتنے بار تمہارے گھر آ چکے ہیں حیا۔ تم ہمارے محل میں کبھی تو آؤ۔"

"آپ کے محل کا زینہ چڑھ تو جاؤں گی، مگر دوبارہ پستی کو گلے نہ لگا پاؤں گی۔" نواب صاحب اُسے مُسکرا کر دیکھنے لگے تو وہ کہے گئی:

"اتنی بلندی عطا کیجئے کہ بعد پستی کی راہ نہ دکھائے گا، جو دو، ایک بار کھول رہے ہیں

اُسے میرے داخل ہوتے ہی بند کردیجئے گا تاکہ نکلنے کی کوئی راہ میرے لئے باقی نہ رہے "
"کیا ہماری بات پر تم کو یقین نہیں ہے حیا ؟"
"آپ کی بات پر یقین کیسے نہ کروں گی ـــــ لیکن نواب شوکت میری زندگی تو ایک شیشہ ہے جو جیسے چاہیگا تو میرے اپنے ہی دو چہرے ہو جائیں گے ـــــ آپ کون سے چہرے کا اعتبار کریں گے ؟" ایک دم نواب صاحب اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے :
" واقعی ہم یہ بار بار کے آنے جانے میں ہی رہ گئے ہیں ـــــ بس اتا بھی نہیں خیال کرے کی آخر آپ کے اماں جان کو شادی کی تیاری کے واسطے کچھ رقم دینا چاہیئے "
وہ اُٹھ کر دوسرے کرے کو چل دیئے ـــــ حیا نے سخت ذلت محسوس کی۔ یہ کن گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی کے دان دہیز کے لئے خود لڑکے والے ہی رقمیں دیتے پھریں " وہ اپنے آپ ہی سوچتی، اُلجھتی، کسمساتی رہی۔
دوسرے دن زمانی بیگم نے بڑی خوشی سے سرگوشی میں بتایا کر نواب صاحب اتنے اُتنے بھی نہیں پورے پچاس ہزار روپے اس کی شادی کے سلسلے میں بھجواتے ہیں ـــــ اُن کی سانسیں مارے جوش اور خوشی کے اُتھل پتھل ہوتی جارہی تھیں ـــــ زندگی میں اتنی بڑی رقم اُنھوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی ـــــ دیکھنے کا کیا سوال تھا سوچی تک بھی نہ تھی ـــــ وہ تو تیرے میرے سے صرف تحفہ اُترواتی کے ہی زیادہ سے زیادہ بیس ہزار سے کہنے پر تُلی ہوتی تھیں ـــــ
ایک عجیب چمک دار خیال اُن کے ذہن میں طلوع ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نواب صاحب بٹیا کو بھلے بیاہ کر ہی سہی لے تو جائیں لیکن چند روز بعد دل سے اُتر جاتے تو یہیں پھینک جائیں ـــــ یہ پچاس ہزار تو مل ہی گئے ـــــ پھر تو جب تک بٹیا کی جوانی باقی ہے ـ راتیں آباد ہیں، اور تجوری سہاگن کی طرح لدی پھندی ہے ـــــ اے اللہ ایسا ہی ہو ـــــ نواب صاحب کے دل پر سے بٹیا اُتر جائے ـــــ شادی کر کے بھی جائیں گے تو برابری

کا درجہ تو دیں گے نہیں —— لے لاکھ گدھے کو گھوڑوں کے اصطبل میں باندھ دو، رہے گا تو وہ گدھا ہی —— اس نامراد کو محل کی خاندانی بیبیوں میں لے جا کر بٹھال بھی دیں گے تو رہے گی تو وہ بازاری اور طوائف زادی ہی —— وہ عزت کہاں ملے گی —— اور میں اپنا اتنا کنبہ لے کر کہاں بھلا محلوں میں بٹھائی جاؤں گی —— ہم جیسیوں سے زیادہ سے زیادہ باہر ہی جھٹکے آباد ہوتے ہیں —— گھر والی بننا کہاں ہم کوٹھے ڈیرے والیوں کے نصیب میں۔

ماں کی دعا میں خدا نے واقعی اثر رکھا ہے کہ قبولیت کا درجہ جلد ہی پا لیتی ہیں۔

اگلے دن جمعرات کو زمانی بیگم حسبِ دستور اپنی لڑکیوں کی پلٹن کے ساتھ درگاہ شریف جا رہی تھیں —— حیا نہا کر اٹھی تو جی کچھ کسمسا سا ہو رہا تھا —— زمانی بیگم نے دیکھا کہ موتیہ سُرخ ہو رہا ہے۔ لٹوں لٹوں موتی موتی پانی ٹوٹ رہا ہے —— سوچا ایسے بھیگے بالوں سے مخار میں کہاں لئے لئے پھروں، ایسا ہی ہے تو اگلی جمعرات کو چلی جائے گی۔ اسے منع کر دیا۔ باہر جاتے ہوئے وہ کوئی زیور سنگھار شِنگار نہیں کرتی تھیں —— گلے سے نتھی ہاتھوں نے پہونچیاں اتار کر بیٹی کے گلے، ہاتھوں میں ڈالیں، وہ ناں ناں کرتی ہی رہی۔ کہا "اب کہاں ٹھیا صندوقچی کھول کر قفل چابی کرتی بیٹھوں"۔ لگے ہاتھوں پیروں سے پاؤں زیب بھی اتار کر اس کے موم جیسے پیروں میں ڈال دئے —— اب بڑھاپا آیا تھا تب سے بجاتے بھاری پیتل کے گھنگروؤں کی جوڑیوں کے، یہی چاندی کے ہلکے وزن کے لیکن بجنے والے ریشمی گھنگرو والے پازیب، لڑکیوں کو رقص سکھاتے وقت پہن لیا کرتی تھیں —— حیا آئینہ اٹھا۔ گھر میں زیور پہنتی ہی نہ تھی —— یوں گوندنی کی طرح لد گئی تو بے تحاشہ آئینہ یاد آیا۔ جھنور نے زبردستی آنکھوں میں کاجل بھر دیا تھا، اور لالی کی انگلی ہونٹوں پر پھیر دی تھی —— موتی برساتے لانبے گھنے بال کھلے پڑے پیٹھ پر، آگے پیچھے ہر طرف جھول رہے تھے —— آبِ رواں کا دوپٹہ تی تیا گردن میں سرسرا رہا تھا —— کمر پر کسا ہوا کرتا تھا گلابی رنگ کا۔ اسی رنگ کا تنگ پاجامہ —— پنڈلیوں کی ایماندارانہ پیمائش تیاتا ہوا گیلے جسم پر تنگ پاجامہ کس قیامت سے

چڑھتا ہے ـــــ غرارہ شلوار ہو تو کوئی بات نہیں ـــــ ڈھیلے ڈھالے سَرسَراتے پائنچے یوں آنکھ جھپکنے میں چڑھ جاتے ہیں۔ چُست پاجامہ اتنی ورزش کرواتا ہے کہ گالوں پر خون موجیں مارنے لگتا ہے ـــــ دہکتے ہوئے لال سُرخ گال جن کے اوپر کاجل بھری آنکھیں ہوتی ہیں ـــــ بیچ میں تیکھی سی ناک ہوتی ہے جس میں ننھی سی قسمت جھلملاتی رہتی ہے، اور اس کے عین نیچے دو سُرخ سُرخ ہونٹ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود ہی قیامت ہوتے ہیں ـــــ لیکن محض لالی کی ایک اُنگلی پھیر کر دو آتشہ بنا دیتے جاتے ہیں ـــــ اور پھر مائیں ہوتی ہیں جو قفل، چابی اور تجوری کے عذاب سے بچنے کی خاطر لوں زیوروں سے لاد کر قیامت کو بہت پہلے ـــــ یعنی قیامت سے بہت۔ بہت۔ بہت پہلے ہی قیامت برپا کر جاتی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ لمحہ ـــــ وہ لمحۂ تنہائی، جو آدم اور حوّا کو کبھی جنت میں میسّر نہ آتا تو نسل نہ بڑھتی۔ دُنیا نہ چلتی اور یوں ایک اور کہانی وجود میں نہ آتی۔

جس کمرے میں حوّا تنہا کھڑی ہوئی تھی ـــــ آدم بھی اُسی لمحے آپہنچا ـــــ نواب شوکت یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ حیا بے حد حسین لڑکی ہے ـــــ بہت ہی خوبصورت بلا ہے۔ لیکن آج ان کا جی چاہا کہ کاش یہ بلا اُن سے چمٹ جاتے۔ اور بلا اگر اتنی مہربان نہیں تو وہ خود بلا کے گلے کا ہار بن جائیں۔

وہ ناں ناں کرتی رہی ـــــ منتیں کرتی رہی۔ سسکیاں بھرتی رہی اور وہ آنسوؤں اور لذتوں کے سمندر میں ڈوبتے، اُبھرتے پاما تر گئے۔

پہلی رات کی بیاہی ہو۔ جذبات کی ماری کنواری ہو، گناہوں کے دلدل میں پھنسی ہو الف ہو یا کوئی سی عورت ہو۔ پلنگ کی پٹی سے لگی شرماتی بیاہی، خدا سے ڈرتی کنواری پیسے گنتی ہوالف یا سسرالیوں سے جھینپتی جھینپاتی ہو۔ عورت کو کوئی نہ کوئی وسوسہ بسیرا ہونے پر بھی پاپیا سا رکھتا ہے اور وہ یونہی پلنگ کے آس پاس یا کمرے میں ڈولتی پھرتی ہے۔ لیکر

اطمینان سے پار اُترنے والا مرد سیدھا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی یہی ہوا جو دُنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے —— نواب صاحب گھر گھر کرتے ایک مطمئن بچے کی طرح سو رہے تھے اور حیا گھٹنوں میں مونہہ چھپائے اپنے آپ سے چھپ رہی تھی۔

"یہ کیا ہوگیا میرے خدا ؟"

"یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا"

"میری ساری ریاضت، عبادت ایک ہی ریلے میں بہہ گئی۔

"عورت کو تُو نے اتنا کمزور کیوں بنایا ؟ میں نے کتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی —— لیکن ؟ اُس نے پاس سوتے ہوتے نواب شوکت کو نظر بھر کر دیکھا —— لمبا، چوڑا تنومند جسم، سُرخ و سفید رنگ۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں۔ سر پر چھدرے چھدرے بال، نہ سیدھی مانگ نہ ٹیڑھی مانگ، لہر لہر بال اُلٹے جاتے ہوتے، پھر اُن کے مضبوط ہاتھ اور سُرخ و سفید لانبی لانبی اُنگلیاں، انگوٹھیوں سے سجی ہوئی۔ وہ جیسے جیسے اپنے آپ کو چھڑاتی جاتی، وہ انگوٹھیوں سے سجی مضبوط اُنگلیاں اسے بے بس کئے جاتیں۔ ایسے کسا مے میں کئے جانے کے بعد وہ کیسے اپنے بیچ چھڑا پاتی ؟ دُکھ اور ذلت کی ایک لہر اُسے یہاں سے وہاں تک بھگو گئی —— آخر طوائف کی طوائف ہی رہی نا —— سہرے، توروں، باجے گاجوں، مہندی مائیوں، چڑھاوے، مونہہ دکھائیوں اور نکاح کے بولوں کے ساتھ دُلہن بننا کہاں نصیب ہوا آخر —— ؟ وہی ہوا جو تجھ ایسیوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے —— وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

یہ شخص تو مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کر گیا تھا نا ؟ آج اسی نے میرا انگ انگ کھول دیا ! اسے وہ سب کچھ مل چکا ہے جو کوئی بھی بیاہتا دُلہن اپنے دولہے کو پہلی رات دیتی ہے —— اب اگر یہ مجھے ٹھوکر مار کر بھی چلا جاتے تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی ؟

اس نے سسکی لے کر سرہانے لگے آئینے میں اپنا اُترا اُترا چہرہ دیکھا ــــ نتھنی بدستور ناک میں جھلملا رہی تھی۔

زمانی بیگم کے درگاہ شریف سے آتے آتے یہاں مطلع صاف ہو چکا تھا نواب شوکت موتہر پر پانی کے چھپاکے مار، پہلے سے کہیں زیادہ تازہ اور جوان بن کر جاتے جاتے ایک بار اور اسے بھر پور کسا دے میں کس کر اور ہونٹوں کی آخری سُرخی بُوند تک نچوڑ کر ہوا ہو چکے تھے ــــ حیا گھبرائی گھبرائی سی جُھٹیل خود چادر کو حمام میں پھینک، بے ترتیب بستر کو پھر سے ترتیب دے، پھر سے حمام میں گُھس گئی ــــ نہا کر نکلی تھی کہ عین اسی وقت ماں کی شکرام آ کر دروازے سے لگی ــــ گئی تھیں تو لٹیں موتی رول رہی تھیں ــــ آئی ہیں تب بھی زُلفیں یونہی موتی پِرو رہی ہیں! وہ چونک گئیں ــــ یہ دو دو بار بلا ضرورت کے غسل کیسے؟ کمرے میں آ کر بستر کو دیکھا ــــ پھر بیٹی کو دیکھا جو ہار مونیم سے شغف نہ ہونے پر بھی سُر جگاتی بیٹھی ہے۔

"بٹیا تبرک تو لے لو ــــ" انہوں نے نقل دانوں اور عودی کی پُڑیا ہاتھ بڑھا کر اسے دکھائی، لیکن خود آگے نہ بڑھیں کہ وہ خود ہی چل کر آتے اور ڈگمگ چال سارے سر بستہ راز کھول کر رکھ دیتے۔

حیا کانپتی، جھجکتی آگے بڑھی۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔

"بیٹی ــــ" انہوں نے انتہائی اطمینان سے کہا: "ایک مرتبہ بند قبا کُھل جائے تو پھر نیک زندگی کے دروازے آپ ہی آپ بند ہو جاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ــــ!"

انہوں نے جو کہا۔ حیا تو بھی ہی ــــ لیکن حیا کی چپلی نے ان سے جو کچھ کہا وہ اُن کے ایک جملے سے ظاہر تھا۔

بڑی سخت حیرت کی بات یہ تھی ـــــ یا کم سے کم زمانی بیگم کو بے حد حیرت تھی کہ نواب شوکت نے باغبانی کر لینے کے بعد بھی کیاری سے موتیہ نہ توڑا ـــــ آنا جانا لگا ہی رہا ـــــ وہ اسی ذوق و شوق سے آتے ـــــ اسی لگن سے حیا پر واری بلہاری جاتے۔ وہی تحفے تحائف کی برسات، وہی نگاہوں سے موتیوں کے چڑھاوے ـــــ وہی ہونٹوں سے مسکراہٹوں کی سوغاتیں ـــــ سب کچھ وہی تھا ـــــ ان کی وہی خاطر داریاں تھیں لیکن لگتا تھا، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ کھو ضرور گیا ہے۔

اور یہ 'کچھ' جو کھو گیا تھا، حیا نے پا لیا ـــــ وہ بات یہ تھی کہ اب نواب شوکت نے پچاس ہزار دے چکنے کے باوجود شادی کی بات اٹھائی ہی نہیں ـــــ اماں کو کیا غرض پڑی تھی کہ موتیہ سے چھوٹتیں ـــــ ان کے تو دل کی مراد پوری ہو گئی تھی۔ نواب شوکت تو جیسے اس داستان کو یاد تو کیا رکھتے، وہ تو موضوع تک بھول گئے تھے ـــــ رہی حیا وہ کیسے اپنے موتیہ سے یہ کہہ دیتی کہ "آخر آپ مجھے بیاہ کر کب لے جائیں گے؟ اور جو کہہ بھی دیتی اور وہ موتیہ کھوڑ کر کہہ دیتے کہ بی بی تم سے جو موتی لینا تھا وہ تو لے چکے اب خالی سیپ لے جا کر کیا کرنا ـــــ تو وہ کیا کر لیتی؟

اور اس دن حیا نے جانا کہ انسان کتنا سخت جان ہے ـــــ لوگ کتنی مشکل سے مرتے ہیں ـــــ وہ تو مری بھی نہیں ـــــ نہ کانوں نے قوتِ سماعت کھوئی نہ آنکھوں نے قوتِ بصارت کھوئی ـــــ حواس بھی اپنے حواسوں میں رہے، دل کم بخت ایک لمحے کو ضرور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا تھا ـــــ نواب شوکت جب زمانی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کی آواز میں آج بھی وہ جادو ہے کی چلتی ندی رک جانا۔ آپ کیوں نہیں گاتے؟"

زمانی بیگم ہنس کر انکساری سے بولیں :

"اے حضور ہمارا کیا ہے ــــ منہدم عمارت ہیں ــــ یہ اور بات ہے کہ بس تھوپا تھاپی اور لیپا پوتی سے کام چل جاتا ہے "

"نہیں نہیں۔ ایسی بھی کیا بات ہے ــــ منگنی کی تقریب میں آپ کو بھی گانا پڑے گا ــــ ہو رہا تو ناچیں گی ہی۔ ہے کہ نہیں ــــ" وہ ہنس کر باری باری دونوں کو دیکھا کئے۔

منہدم عمارتوں پر بجلی گرے یا طوفان ٹوٹے وہ متاثر نہیں ہوتیں ــــ ہرے بھرے آشیاں پر تو تیز ہوا کا جھونکا بھی قیامت ڈھا دیتا ہے ــــ زمانی بیگم نے تو یونہی نظر اُٹھا کر بیٹا کو دیکھا لیکن حیا کی تو یہاں سے وہاں تک ساری فصل سوکھ گی نذر ہو گئی ــــ وہ بیٹھی نہ ہوتی تو گر جاتی ــــ بے حد اطمینان سے زمانی بیگم نے پوچھا :

"منگنی کی تقریب میں ہی بلوا ئیے گا بس ــــ اور حضور کی شادی خانہ آبادی کے جشن مُبارک میں ؟" بڑی سادگی اور بھولپن سے وہ بولے :

"امّی حضور کی خوشی ہے کہ پہلے منگنی دھوم دھام سے کرنا۔ اس کے بعد شادی ــــ آپ لوگاں کو تو بھلانے کی چیز ہیں کیا "

جن نظروں سے حیا نے نواب شوکت کو دیکھا ہے ان نظروں نے کٹ سے کوئی چیز زمانی بیگم کے سینے میں توڑ کر رکھ دی ــــ آخر کو ماں تھیں۔ گرتی پڑتی ہوئی اُٹھیں اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پر اوندھے سوکھ گر پڑیں ــــ آنسو نہ نکل جائیں۔ اس لئے مُسکرا مُسکرا کر سوچنے لگیں کہ نواب صاحب کی منگنی پر کون سا سہرا زیادہ سہائے گا ــــ آخر منگنی پر بھی تو دُولہا بناتے ہیں۔ تو پھر "بنا" "بنے تو سہرا گانے میں کیا حرج ہے۔ شادی کے دن پھر دُولہا بنا بنے گا۔ پھر سہرے گا لوں گی۔

"مرد کتنی ہی بار دُولہا بنے، نیا کا نیا رہتا ہے اور عورت ــــ" اُنہوں نے آہ

بھر کر سوچا "ایک بار جو دُلہن بنتی ہے، بھلے تنہائی میں بن جائے، جو نور ایک بار اُترتا ہے پھر مر کر بھی وہ نور نہیں اُترتا"

ادھر بالا ماری ہوئی ہنسی سے نواب شوکت بولے:

"تم فکر مت کرو حیا — تمہارا عقد ہم کسی اچھے شریف آدمی سے کر دیں گے — کیوں کہ تم کو دُلہن بن کر بیاہنے کا بہت ارمان ہے نا!"

"وہ شریف آدمی تو آپ بھی ہو سکتے تھے نواب صاحب —" اس کا دل بولا مگر ہونٹ خاموش ہی رہے —

"تم ہماری بات کو پسند نہیں کرے شاید —"

بڑے ضبط کے ساتھ وہ بولی:

"اور عورتوں کے دل کا تو مجھے پتہ نہیں — لیکن میں نے اپنے دل کی گزرگاہ کو بس اتنا ہی کشادہ رکھا تھا کہ اس میں سے دو قدم گزر سکیں — آپ اس میں داخل ہو گئے اور میں نے وہ گزرگاہ ہی بند کر دی — آپ تو بڑے خوش نصیب تھے نواب صاحب کہ ایسی محفل میں قدم رنجہ ہوتے جہاں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی نہیں آیا لیکن میں"، وہ سسک کر رو پڑی — میں کتنی بدنصیب تھی کہ آپ کے دل کی دہلیز تک ہی پہنچ پائی — داخلہ میرے لئے ممنوع تھا —"، ماحول کا سناٹا جان لیوا ہو گیا تو محض بات رکھنے کی خاطر انہوں نے بات کی:

"اصل میں اُمّی حضور اپنی بھتیجی سے ہماری شادی کی بات پکّی کر چکے تھے نا، اس واسطے . . . . . . "

"نواب صاحب —" وہ رہ رہ کر ٹوٹتی آواز میں بولی: "کچھ عورتیں کچھ مردوں سے تھوڑی سی محبت کرتی ہیں — بہت ساری عورتیں بہت سے مردوں سے بہت سی محبت کرتی ہیں — لیکن جیسی محبت میں نے آپ سے کی — سوچتی ہوں دُنیا کی پہلی

اور آخری عورت ہیں میں تھی جو ایسی محبت کر سکی —— شاید کاتب تقدیر نے لفظ محبت لکھ کر قلم کی نوک میرے ہی دل میں توڑ دی تھی - اس کے بعد —— اس کے بعد پھر یہ لفظ کبھی لکھا گیا —— نہ شاید لکھا جائے ——"

وہ چلنے کو ہوئے تو آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوؤں کے ستارے اور مسکراہٹوں کی دھوپ لئے وہ بول اٹھی :

آپ کی منگنی کی تقریب اور شادی خانہ آبادی کے جشن مبارک پہ میں ضرور آؤں گی۔ اور ناچوں گی بھی اللہ قسم کی ہی - اپنے دب سے بنے یہ تیں ۔ مجھ نہیں کرنی؟

لیکن منگنی کی تقریب اسے اسے حیات کی اور نیندوں کا ماسہ تروسا، دوسا —— آنسوؤں کا سلسلہ و مدت سے شروع ہو گیا ہے

ایک پیالے میں کچھ بیتے کا عرق —— دوسرے میں کوٹہ، زعفران، تنبن و تاب، گول سیاہ مرچ کا کاڑھا لئے زمانی بیگم اس کے سرہانے کھڑی تھیں۔ —— "لے نامراد —— ایک ایک کر کے دونوں پیالے چڑھالے اور اس بے مروت اور ظالم کی ہر یاد اور نشانی پیٹ سے اور دل سے نکال دے ——" دھواں دھواں چہرہ اٹھا کر میٹی نے ماں کو دیکھا۔

"آپ بھی اماں یہی سمجھتی ہیں —— آپ بھی اماں ——" زمانی بیگم نے منہ پھیر لیا۔ تو جیتے پیٹ میں رکھنا آسان —— کرتے درد و سہہ کر پیدا کرلینا وہ بھی آسان۔ لیکن یہ نظر، ایسی نظر؟ یہ نہیں سہی جاتی میرے مولا —— ماں پن کی سب سے کڑی منزل یہی ہے اولاد کا دُکھ۔ وہ بڑے رسان سے، دکھوں سے ڈوبتے لہجے میں بولی :

"اماں —— میں اپنا بچہ ضائع نہیں کروں گی ——" وہ اوپری دل سے غصہ ہوئیں۔

"کم بخت —— اب تیرا مذہب —— تیری تعلیم —— تیرے وعظ —— تیرے

والا تل کہاں گئے ـــــ زنا کر کے بیٹھی ہے۔ پتہ ہے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ اس کی کوئی معافی بھی نہیں ہے ـــــ"

"جانتی ہوں اماں ـــــ بہت نہیں جانتی مگر تھوڑا بہت تو ضرور جانتی ہوں زنا کی سزا سنگ ساری ہے ـــــ ہے نا؟ اب ساری زندگی مقدر مجھ پر سنگ باری کرے گا ـــــ سزا تو مجھے بہرحال مل گئی نا ـــــ خدا بھی تو دو سزائیں ایک گنہگار پر جمع نہیں کرتا۔ پھر آپ یہ پیالے پلا کر مجھے کیوں اس جنت سے محروم کرنا چاہتی ہیں جو زندگی بھر کی سنگ ساری کے صلے میں میرے قدموں تلے تعمیر ہو گی ـــــ نہیں اماں نہیں ـــــ زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا ـــــ بڑی صابر بیٹی اللہ نے آپ کو عطا کی ہے ـــــ آج وہ صابر بیٹی بھکارن ان۔ تمدیتی بن کر ماتا کی۔ کوکھ کی بھیک مانگتی ہے ـــــ اماں میری جنت کی نشانی مت مٹایئے۔ میری اماں ـــــ میری اچھی، میری پیاری اماں"

مدت گزرنے پر حیا نے ایک گڑیا سی خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور جس دن وہ چلّہ نہا کر اٹھی ہے، اسی دن نواب شوکت کی شادی پڑی۔

زمانی بیگم ہاں ہاں کرتی رہ گئیں ـــــ اور حیا نے جو سدا سنگھار پٹار زر زیور سے دور بھاگتی تھی ـــــ روایتی دلہنوں اور سہاگنوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سجایا سنوارا۔

"اری نامراد ابھی زچہ ہے ـــــ چھوڑ کس کم بخت کے پھیر میں پڑی ہے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے ـــــ زندگی بھر اپاہج بن کر رہ جائے گی۔ لیکن حیا آج کوئی بات سننے کی روادار نہیں تھی۔

وہی شان دار ہال تھا ـــــ وہی سلیقہ، وہی قرینہ ـــــ لیکن آج اس دن سے بھی سوا سجاوٹ تھی، اور مہمانوں کا جم غفیر ـــــ سہرے تو رول اور بدھیوں میں شرمائے

دستی سے مونہہ چھپائے —— خوشبوؤں میں بسے دولہا میاں نواب شوکت زرکار مسند پر براجمان تھے —— برابر میں چھوٹے سالے سالیاں آرزو یار دوست احباب۔ زنانے میں الگ ہلڑ مچی ہوتی تھی —— چلمنوں کے پیچھے سے مہمان بیبیاں بے تابانہ ٹوہ لے رہی تھیں —— دُلہن کو وہیں ایک مسند پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا —— بے چین نظریں بار بار بھٹک سے اُلجھتیں۔ پھر وہ اپنا آپ سنبھال لیتی —— آخر سینے میں رُکتے دھڑکتے دل کو تھام کر اس نے ماں کو اشارہ کیا اور گویا ہوئی :

"اماں —— آج میں تال آڑا چوتالہ پر ناچوں گی ——" زمانی بیگم نے ہول کر اُسے دیکھا ——

"تال آڑا چوتالہ —— ؟ بیٹی پاگل ہوئی ہو —— چودہ ماتروں کا ٹھیکہ ہے، سنبھال نہ پاؤ گی ——"

وہ چلائی : "نہیں اماں —— آج یہی رقص ہوگا "

"مشکل ہے بیٹی ——"

"اماں آپ تو نبض کی دھک دھک میں بھی لے اور تال پیدا کرتی آئی ہیں —— آج دِل کی تال پر بیٹی کو آزما لیجئے —— میں ناچوں گی اماں —— آپ گت شروع کیجئے "

"چھمن خاں ——" زمانی بیگم نے اشارہ کیا : "شروع کیجئے تال آڑا چوتالہ —— اور انہوں نے تالی بجانے کے لئے چوڑیاں پیچھے کھسکانی شروع کیں " بہتر بی بی " چھمن خاں سعادت مندی سے بولے اور شروع ہو گئے۔

دھن۔ تت کٹ دھن دھن ناناکت تاتت کٹ دھن دھن دھاگے نا دھا تٹ کٹ دھن ——

ساتھ ہی گھنگرو چھن چھناتے اور جیسے پانی پر بہتی، گھمیریاں ڈالتی —— بل کھاتی، لچکتی، تیرتی، ڈولتی۔ سامعین کو سحر زدہ کرتی وہ دُنیا و مافیہا سے خود بھی بے خبر ہوتی گئی۔

پہلے اس کا ایک ہالہ گرا ـــــ کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کے عالم میں اسے وہ خوب صورت واردات یاد آئی جو زنگین بھی تھی اور سنگین بھی جب اس کا ایک ہالہ ان کے جگمگاتے بٹنوں کی زنجیر سے اُلجھ گیا تھا ـــــ پھر دو مضبوط ہاتھوں نے دوسرا ہالہ بھی اُتار لیا تھا ـــــ پھر وہ خوب صورت، زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والے ہاتھ، دھیرے دھیرے اس کے کنوارے جسم کے نشیب و فراز پر سرسرائے تھے ـــــ ہونٹوں نے دھیمی دھیمی محبت بھری سرگوشیاں کی تھیں ـــــ آج وہ ہاتھ ـــــ وہ خوب صورت ہاتھ اور مضبوط ہاتھ وہی سرگوشیاں دُہرائیں گے ـــــ ہاتھ وہی ہیں، ہاتھوں کی گرفت میں آنے والا چہرہ بدل گیا ہے۔

رقص کی لَے اور تیز ہوئی ـــــ ا... کے گلے کی مالا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی اسے پھر سے وہ جان لیوا گھڑی یاد آگئی ـــــ ماتھے کی ... دیکھتے ... دیکھتے ... تھیں ـــــ دھیرے دھیرے نفرت سے بھرے ہاتھ اس کے سراپے پہ رینگے، اور مدھم سی سرگوشی: "آج جسم ... اس پر کوئی زیور نہیں رہیں گا ـــــ زیور تمہارے بدن کو چھپاتے ہیں، مجھے تمہیں زیوروں سے حسد ہوتا ہے ـــــ" اور ایک ایک کر کے سارے زیور جلاد صفت یا جلا بدن کرتے گئے تھے ـــــ آج ہاتھ وہی ہوں گے لیکن ایک اور بدن ہوگا جس کے روئیں روئیں سے بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔

پھر وہ اتنا تیز ناچی ـــــ اتنا تیز ناچی کہ گھنگھرو ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے، اور تال کا آخری چکر جب ختم ہوا تو سارے ہال میں ایک ایسا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی ذی ہوش تھا ہی نہیں۔

وہ یوں ہی سر نیوڑائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی ـــــ اس نے کب رقص ختم کیا تھا وہ خود سے گری تھی یا اُسے کسی نے تمام کر یوں بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر تھی ـــــ صرف ایک بات کا اسے علم تھا کہ یہ رات ـــــ آج کی رات ـــــ آج کی سہاگ رات۔ جو اس کی زندگی میں آنے والی تھی۔ کبھی اور کے حساب میں لکھ دی گئی ہے ـــــ قیام ازل

یہ تیری کیسی بھول ہے ؟

داد و تحسین کا یہ عجیب انداز تھا کہ نہ کسی نے تالیاں بجائی تھیں نہ کسی نے واہ وا کی تھی ——— بس ہر طرف سانسوں کا سناٹا تھا ——— اس نے بڑی مشکل سے نگاہیں اٹھا کر دولہا کی جانب دیکھا۔

"میری سہاگ رات ایسا قرض ہے جو تم کبھی ادا نہ کر سکو گے نواب !"

ایک دم کسی نے تعریف کے جذبے سے چور ہو کر کہا "ارے موہنہ کیا دیکھتے جی۔ حیا ڈومنی کو اشرفیوں سے چھپا دیو ——— کیا ناچی ہے کی واہ ——— یار ہو تو ایسی ———" ابھی تک تو دل شیشہ ہی تھا ——— اس وار سے کرچی کرچی ہو کر سارے بدن میں بکھر گیا ریزہ ریزہ ہو گیا ——— اس نے ڈوبتی نگاہوں سے نواب دولہا کی طرف دیکھا۔

"اگر تم سہارا دے دیتے تو میں محل کی عزت بن جاتی۔ آج تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تو میں بازار کی چیز بن گئی ——— ڈومنی ! سچ تو ہے ——— میری یہی اوقات ہے یہی رہے گی ———" وہ محل کے شور شرابے کو خواب کے سے عالم میں دیکھتی رہی۔ جیسے اس کی اپنی آنکھیں نہ ہوں۔ کسی اور کی ہوں۔

پھر محفل اکھڑنے لگی کہ دولہا میاں زنانے میں بلائے جانے تھے ——— وہاں آمنے سامنے دولہا دولہن بٹھائے جائیں گے ——— رونمائی ہو گی۔ دولہن کو اشرفیاں روپے، زیور ملیں گے ——— دولہا کو سلامیاں ——— رومالوں میں چکنی چھالیہ، لونگ، الائچی چاندی سونے کے ورقوں میں مڑھی ہوتی ——— بیچ میں جگر جگر کرتی اشرفیاں انگوٹھیاں ——— جب یہ سب ہو جائے گا تو بھابیاں، رشتے کی بسا ئیں باجیں، کنواری بیاہی لڑکیاں سب گھس پڑیں گی کہ آخری رسم انجام دی جائے ——— تب دولہا میاں دولہن کا گھونگھٹ اٹھا کر اس سے آنکھیں کھولنے کی التجا کریں گے۔

بی بی ——— آنکھیں کھولو ——— میں تمہارا غلام ———"

تصور کی حدیں اُسے وہاں لے گئیں جہاں دُولہا کے ہاتھ میں دُلہن کا زرتار سُرخ گھونگھٹ تھا ــــ وہ چلائی۔

"نہیں ــــ نہیں ــــ نہیں ــــ یہ ظلم ہے ــــ یہ ظلم۔ یہ قتل ہے ــــ یہ خون ہے ــــ یہ میرا قاتل ہے ــــ یہ میرا خون ہے...... " پھر وہ دھیرے دھیرے سسکنے لگی ــــ " مالک میرے ــــ تیری کتاب کو میں نے ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اے الرحم الراحمین تو نے ہی تو قصاص کا مسئلہ رکھا ہے ــــ تو نے تو خود خون کا بدلہ خون رکھا ہے ــــ قتل کا بدلہ قتل ــــ قصاص ــــ پھر آج تیری دُنیا میں جو میرا ــــ مجھ بے گناہ کا قتل ہوا ہے اس کا قصاص میں کس سے لوں ــــ کیسے لوں... کیسے... کیسے..."

سُسرالیوں کے جلو میں دولہا میاں زنانے میں چلے گئے اور وہ سنگِ مرمر کے خوبصورت فرش پر ایک خوب صورت مورتی کی طرح پڑی رہ گئی۔

"تیرے عدت کے دن پُورے نہیں ہوئے بٹیا ابھی تک" زمانی بیگم نے بیٹی کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے دل کی ہانے نواب شوکت پر ڈالی۔

حیا بچی کا مونہہ ڈھلاتے ہوئے دہل کر بولی: "اللہ نہ کرے اماں جو میں عدت کے دن گزاروں۔ مَری تو میں ہوں ــــ خدا ان کو سلامت رکھے۔

"ایسی دیوانگی دیکھی نہ سُنی ــــ نامُراد نے آنکھوں دیکھتے ایک دِل اُجاڑ کر گھر بسا لیا۔ اور تو اسی کے فراق میں مری جا رہی ہے"

"مر چکوں تو چین ملے۔ اب دُنیا میں دِل نہیں لگتا اماں"

"صبر کر بیٹی ــــ لوگ مرے کو صبر کرتے ہیں تو جیتے کو صبر کر لے"

"صبر تو کر لوں اماں ــــ لیکن کتنا؟ آخر کب تک ــــ کوئی مجھے حد بتا دے"

زمانی بیگم کا کلیجہ کٹ کٹ گیا۔

"امّاں اتنا بڑا دھوکا بھی کوئی کرتا ہے —— امّاں اللہ میاں نے سینے میں دِل اور ضمیر جیسی بھی ایک شے بنائی ہے نا —— امّاں انہیں کبھی خیال آتا ہوگا کہ کیسے محبت بھرے دل کو انہوں نے توڑا ہے —— امّاں ہنستے بولتے کبھی یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ کسی کے ہونٹوں کی ہنسی تم نے چُرائی ہے۔ امّاں —— ایک بار دُلہن بنا کر لے جاتے —— پھلے بعد میں طلاق دے دیتے، میرا سُہاگ چڑھنے کا ارمان تو نکل جاتا۔ امّاں —— امّاں —— امّاں . . . " زمانی بیگم اس کا پاگل پن دیکھ کر بے وقوفوں کی طرح اس کا منہ تکتیں۔ سوچتیں جتنی بھی بک بک کرلے اچھا ہے۔ اپنے آپ ہی سوچ سوچ کر گھٹتی رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

ایک دن پھر سے حیا نے دُلہنوں کا سا سنگھار کیا —— خوب اپنے آپ کو سجایا سنوارا —— خوب زیور پہنے —— ماں سے کہا ایک شکرام منگوا دیں —— وہ حیرت سے دیکھنے لگیں اور بولیں :

"امّاں —— پتہ نہیں کیوں اندر والا دل کہتا ہے کہ شادی انہوں نے اپنی امّی حضور کے تقاضوں سے تنگ آکر کی ہے۔ وہ بھی میری ہی طرح اُداس رہتے ہوں گے۔ آج بُری طرح ایک نظر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ انہی کے ہاں جا رہی ہوں ذرا"

ماں نے دہل کر اُسے دیکھا: "اری پاگل ابھی لاڈے میں پڑی تھی تو ٹھیک تھا کہ وہ بھی اُداس ہوں گے —— اب جا کر خوش و خرم پائے گی تو انگاروں پر لوٹتی پھرے گی۔ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے۔ نہ جا نامُراد رُک جا ——" ان کے دل کی صدائیں دل سے باہر آ پائیں —— وہ دُکھے دِل اور بھیگی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا کیں جو چوتھی کی دُلہن بنی اپنی سسرال جا رہی تھی۔

شکرام کے رُکتے ہی ایک بے پناہ قہقہے نے حیا کا استقبال کیا۔ بلاشبہ یہ نواب شوکت کی آواز تھی —— اُسے اس خیر مقدم کی توقع نہ تھی —— شکرام والے نے زنانی سواری کا جا کر کہا تو مصاحبین میں سے کسی نے کہا کہ زنانے دروازے سے لے جاؤ۔ لیکن

حیا نے پھر سے کہلوایا کہ اسے باہر ہی رُکنا ہے ——— وہ ایک مصاحبین نے پھیرے کئے ——— وہ پردے کے اندر ہی سے جواب سوال کرتی رہی۔ آخر اس نے دھیرے سے کہلوایا۔

"نواب صاحب سے کہہ دیں کہ تخلیے میں ملنا ہے۔"

نواب شوکت بھونچکے سے رہ گئے ——— شادی شدہ آدمی ——— عزت دار نواب یہ کون بے حیا عورت ہے جو خود سے کہہ رہی ہے کہ تخلیے میں، تنہائی میں ملنا ہے ——— خود ہی اُٹھے اور بڑا ہال طے کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اوپر ہی زینے پر رک کر شکرام والے سے بولے۔

"اُنوں نام کیا بتایا ہے؟"

شکرام والا مڑ کر بولا: "پاشا اُنوں پوچھ رئیں آپ کا نام کیا ہوتا؟" حیا نے شکرام کا پردہ ذرا سا اُٹھایا اور نواب شوکت پر بجلی سی گر پڑی۔

"تم؟ حیا یہاں محل میں؟ بلا مطلب ——— بلا کام؟ لوگاں ہمارے متعلق کیب سوچیں گے؟" وہ مسکرائی۔

"اندر آنے کی اجازت ہے سرکار کی؟" وہ بار بار حیا سے مل چکے تھے اور انہوں نے خاص طور سے یہ بات محسوس کی تھی کہ گو وہ طوائف تھی اور ناچنا گانا اس کا پیشہ لیکن اس کے انداز گفتگو میں بازاریت اور وہ روایتی طوائف پن نہ تھا بلکہ گھر طوپن اور شرافت تھی جو خاص خاندانی بیبیوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس نے جس طنز بھرے انداز سے انہیں ایک بازاری عورت کی طرح "سرکار" کہہ کر مخاطب کیا تھا اس نے، اس انداز گفتگو اور انداز تخاطب نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا ——— اب نہ کہنے یا بہانہ بناتے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

"آیئے ——— آیئے ———" انہوں نے بھی خاصے تکلف کے ساتھ جواب دیا۔ حالانکہ وہ اتنی بار مل چکے تھے اور تکلف کی دیواریں اس حد تک ڈھے چکی تھیں کہ وہ مدتوں

سے "تم" ہو چکی تھی۔

وہ اپنے اسی قاتل اور جان لیوا انداز میں جیسے لہروں پر بہتی چلی آئی ہو۔ آئی اور اِدھر اُدھر دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھئے ——" نواب صاحب نے کوئی خاص کھلے دل سے نہیں کہا۔

"یہی سوچ رہی تھی کہاں بیٹھوں —— ایک زمانہ تھا کہ مستقل آپ کے دل میں قیام تھا۔ جو اتنی بلندی پر بیٹھ چکا ہو —— اسے فرش اور مسند کتنے حقیر نظر آتے ہوں گے!" نواب شوکت سخت جز بز ہو رہے تھے۔ "بہر حال! وہ دھیرے سے ایک کوچ پر بیٹھ گئی —— دل میں اتر جانے والی آنکھیں ان کی طرف اٹھا کر بولی ——

"پتہ ہے آپ کی بیٹی کا نام میں نے کیا رکھا ہے؟" نواب صاحب جو خود بھی بیٹھ چکے تھے، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے

"ہماری بچی؟" وہ سخت غصے میں بولے۔

"یہ کیا حماقت ہے ہم کو آپ سے ایسے مزاح کی توقع نہیں تھی"

"مذاق ——" وہ تیکھے لہجے میں بولی: "جس حقیقت کو ایک مجھ جیسی عورت اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتی ہے —— مرد ہمیشہ اسے مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سہرے تورے کے لوازمات اور نکاح کے چند مقدس بول اس عورت اس بازاری عورت کا مقدر نہیں ہوتے جس قبیل سے میں تعلق رکھتی ہوں۔"

"اب آپ بس یہ بتائیے کہ آپ کے واسطے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے بے حد ترسے ہوئے لہجے میں کہا: "میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت چاہتی ہوں۔" نواب صاحب جھنجلا کر بولے:

"دیکھئے حیا بیگم —— ہمارا خاندان نوابوں کا کتنا عظیم الشان اور نامور خاندان ہے —— ہم یہ نہیں بولے کہ ہمارے خاندان میں کوئی رنڈی بازی نہیں کرایا، ناچ گانے سے

شوخ نہیں فرمایا ـــــ پر یہ کبھی نہیں ہوا کی کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ـــــ آخر نام ونمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ـــــ" حیا کا چہرہ غصے سے تپ گیا ـــــ وہ کھڑی ہو کر تیزی سے بولی:

"معاف کیجئے گا نواب صاحب ـــــ میں آپ کے خیالات کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے مطالبے کو آپ ایک رکھیل کا درجہ دے دیں گے ـــــ میں تو آپ سے صرف قربت کی خواہاں تھی ـــــ میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ مجھے ایک نظر دیکھ بھی لیں، میں محبت کی ماری تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کہ میں آپ کو دیکھ سکوں ـــــ ان پیاسی اور بے قرار آنکھوں کی پیاس بجھا سکوں جنہوں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی کو نہیں دیکھا، نہ دیکھنا چاہیں گی ـــــ آپ اگر بلند نظر ہوتے تو یوں بھی سوچ سکتے تھے کہ میں آپ کی ماما بن کر بھی تو رہ سکتی ہوں لیکن آپ کے خیالات کی پستی آپ کو کس قدر نیچے لے گئی ـــــ چھی!

"ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکیں گے کی آپ کو اس محل میں کسی بھی حیثیت سے رکھیں ـــــ آپ خوبصورت ہیں۔ جوان ہیں ـــــ ہمارے نظراں کبھی بہکے تو ہماری گھریلو زندگی متاثر ہو سکتی ہے ـــــ اب ایک لڑکی جس کے ماں باپ چھٹا کو اپنی محبت اور بھروسے پر اس گھر یہاں لائے، اُس محبت کو کیسا جھوٹا ٹھیرانا ـــــ"

حیا دھیرے دھیرے چلتی اُن کے قریب ـــــ اور قریب ـــــ اور قریب آئی اپنا سر اُٹھا کر اُن کا بلند و بالا وجود دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں میں سیدھی دیکھتی ہوئی بولی:

"پھر سے یہ ساری باتیں دُہرائیے ـــــ آپ کے مونہہ سے اچھی لگتی ہیں ـــــ"

نواب صاحب سٹ پٹا گئے ـــــ انہیں وہ سارے وعدے یاد آ گئے جو انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے بھی کسی لڑکی سے کئے تھے اور وہ لڑکی اس وقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے طلب کر رہی تھی ـــــ "پھر سے یہ ساری باتیں دُہرائیے آپ کے مونہہ سے اچھی لگتی ہیں"

"آپ مجھے اس قدر گری ہوئی عورت سمجھتے ہیں نواب صاحب کہ میں کبھی کبھی طرح آپ یا آپ کی بیگم صاحبہ کی زندگی میں کانٹا بن کر کھٹک سکوں گی ــــ؟" وہ ان کی خاموشی اور مجبوری کو دیکھ کر خود ہی بول اٹھی تھی :

"آپ کو ایک بات بتاؤں ؛ عورت اپنی فطرت میں خدا سے بے حد قریب ہے ۔ خدا بھی اپنی خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور عورت بھی اپنی زندگی اور اپنی دُنیا میں کسی کی شرکت نہیں برداشت کر سکتی ــــ آپ کی بیگم صاحبہ میرا وجود نہیں برداشت کر سکیں گی تو میں خود انہیں کہاں برداشت کر سکوں گی ؟ یہ تو میں صرف آپ کو آزما رہی تھی دیکھ رہی تھی کہ میرا چاہنے والا میری محبت میں کتنا اونچا ہے ؟" آراستہ و پیراستہ شاندار محل کے اس شاندار کمرے میں بس دو متنفس تھے اور سانسوں کا زیر و بم ــــ بڑی دیر بعد نواب صاحب بولے :

"آپ کے لئے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ــــ پھر بھی آپ کچھ چاہیں تو . . . . . ."

"وہ مسکرائی ؛ "آپ صرف مجھے ایک سوال کا جواب دے دیں ــــ مجھے سب کچھ مل جائے گا ۔"

نواب صاحب تجسس کے مارے سراپا سوال بن گئے ۔

"کون سا سوال ــــ؟"

"کیا آپ اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہیں ــــ ؟ آپ کو کسی بات کا غم یا پچھتاوا تو نہیں ؟"

نواب صاحب کے تنے ہوئے اعصاب پرسکون ہو گئے تھے اور بڑی دیر بعد ان کے چہرے پر ذرا سی اطمینان بھری مسکراہٹ بھی آ گئی ۔

"خدا کا کرم ہے کہ ہم بے حد خوش ہیں اور غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔"

سرسر کرتی آگ کی لپٹیں جانے کہاں کہاں سے آ کر اس کے وجود کو جھلسنے لگیں ۔

"ہم بے حد خوش ہیں ——"

"ہم بے حد خوش ہیں —— "غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

میری زندگی کو غموں کا سدا بہار جہنم بنا کر یہ شخص کتنا مطمئن ہے —— کتنا پُرسکون ہے —— اے خدا عورت کو تو نے اتنا مجبور کیوں بنایا؟ ان دیکھی آگ کی لپٹوں نے بڑھ بڑھ کے اس کے وجود کو تپا دیا —— وہ سُلگ اُٹھی —— اب اُسے کیا لینا تھا —— محبت کا صرف ایک بول، گزرے لمحوں کی ایک خوب صورت یاد —— خوب صورت یادوں کا صرف ایک ٹکڑا اسے زندگی سے ہمکنار کر سکتا تھا —— وہ اپنی ساری کلفتیں، ساری رنجشیں، سارے غم، سارے آنسو بھول جاتی، اگر یہ شخص غمگین ہو کر سر جھکا لیتا —— خاموش رہ جاتا —— دُکھ بھری بوجھل آواز سے صرف اتنا کہہ دیتا۔

"ایسا جان لیوا سوال کیوں پوچھتی ہو؟"

دلچسپی کے سارے راستے زندگی نے بند کر ڈالے —— وہ یوں ہی احساسات سے عاری، انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی —— پھر وہ اُٹھے —— طلائی کام والے سلیم شاہی جوتے پہنے —— بڑے سے ہال کے کونے میں گئے —— آہنی تجوری کو چابی لگا کر اپنی مضبوط اور لانبی انگلیوں کے دباؤ سے گھما کر، پٹ کھولا —— پٹ کھلتے ہی اندر آگ سی دہکی —— دھوپ سمان سونا کرنیں بکھیر رہا تھا —— انہوں نے اشرفیاں گننی شروع کیں پھر انہوں نے ایک سُرخ تھیلی میں وہ ساری اشرفیاں بھریں —— تجوری بند کی —— واپس مڑے تو حیا تلوار کی طرح تنی ان کے راستے میں کھڑی ہوئی تھی۔

"تاریخ رضیہ سلطانہ کا نام اپنی یادوں میں ہمیشہ محفوظ رکھے گی کہ اُس نے اپنی عظیم الشان سلطنت پر بادشاہت کی تھی ——" وہ حیرت سے دیکھے گئے۔ وہ سُناتی گئی: "لیکن کوئی مورخ مجھے یاد نہیں کرے گا نہ تاریخ میں میرا نام ہی سُنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا —— حالانکہ میں نے بھی رضیہ سلطانہ کی طرح بادشاہت کی ہے ——

اس نے تو محض سلطنت پر حکومت کی ہے، میں نے تو اس عظیم الشان اور بے مثال تخت پر تاجوری کی ہے جسے ایک مرد کا دل کہتے ہیں ـــــ شوکت نواب! اپنے خیالوں میں بھی ایک ملکہ ہی رہی ـــــ ایک ایسی سلطنت میری ٹھوکروں میں رہی جسے میں چاہتی تو ایک دھکے سے چور چور کر دیتی ـــــ لیکن میں، جو بنیادی طور پر ایک عورت تھی، عورت ہی رہی ـــــ فنِ سپہ گری مجھے نہ آیا یا ـــــ تباہ و تاراج کر دینے کی ادا میں نہ اپنا پائی ـــــ قوموں کی زندگی کی بات میں نہیں کرتی، لیکن فردوں کی زندگی میں عورت کی ایک نگاہ ـــــ محض ایک نگاہ نے ہرے بھرے باغ اجاڑ دیے ہیں، ہنستے کھیلتے گھرانے برباد کر دیے ہیں اور میری نگاہ! نواب شوکت تم جانتے ہو میری نگاہ کا مول کیا ہے! یہ تلوار ایسی تلوار تھی جس کی کاٹ ہی نہیں تھی، لیکن تمہاری خاطر میں نے یہ کند کرلی تھی، کیوں کہ اگر یہ صیقل ہو جاتی تو ایک مقتل بپا ہو جاتا ـــــ اور مجھے تو صرف ایک ہی کا ہو کر چلنا تھا ـــــ وہ ایک ـــــ کہ میں تو اس کی ہو گئی ـــــ وہی میرا نہ ہو سکا ـــــ شاید برسوں گزرنے پر داستاں در داستاں، زباں در زباں، نانیاں، دادیاں دونوں ہی کہانیاں سنائیں گی اور مسافر راستہ بھولیں گے ـــــ تب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی لمحے اس داستان کو سن کر کوئی بھولا مسافر راستے سے بھٹکا، مسافر میرا راز پالے گا ـــــ میری دفن شدہ محبت کو ڈھونڈھ نکالے گا اور تب سننے والے کہیں گے جس کی کہانی سن کر لوگ آج راستہ بھول گئے ـــــ وہ خود کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی!"

بولتے بولتے وہ اچانک رک گئی ـــــ اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہو گئی وہ آگے بڑھی ـــــ نواب شوکت کے قریب پہنچ کر بولی۔

"میں کس راستے پر چلوں نواب شوکت! مجھے بتاؤ میں کس راستے پر چلوں؟ وہ تو تب کی بات ہے جب میری کہانی سن کر لوگ کہیں گے کہ وہ کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی ـــــ لیکن آج جب کہ میری ساری راہیں گم ہو چکی ہیں ـــــ میں تم ہی سے سوال کرتی ہوں کہ

میں کس راستے پر چلوں ـــــ بتاؤ ـــــ جواب دو؟" اور وہ نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔

شوکت نواب نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ ڈرتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اس کے قریب گئے اور اشرفیوں کی تھیلی اُسے دیتے ہوئے لجاجت سے بولے:

"اب خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کر کے تم جلدی سے نکل کے چلے جاؤ۔ کوئی دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو گا ـــــ" حیا نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا:

"میری قیمت دے رہے ہو نا نواب؟"

"فضول باتیں نہ کرو، پیسہ بہت ضروری چیز ہے ـــــ خوشی میں، غم میں ہر مصیبت میں ـــــ اس کے بغیر کام نہیں دھکتا ـــــ اچھا چلو یہی سمجھ لو کی تمہاری قیمت دے رہے ہیں ـــــ مگر کام تو آئیں گا نا ـــــ دس ہزار اشرفیاں کم نہیں ہوتے۔"

حیا نے اشرفیوں کی تھیلی ہاتھ بڑھا کر تھام لی ـــــ اتنی وزنی تھی کہ اس کا ہاتھ ڈول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھیلی سنبھال لی۔

"آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں آخر ـــــ الفاظ ایسے موقعوں پر کس قدر حقیر ثابت ہوتے ہیں ـــــ" نواب شوکت کچھ نہیں بولے ـــــ اس وقت ان کے ہر انداز سے یہ ظاہر تھا کہ کم بخت جلد نکل چکے ـــــ مر چکے ـــــ وہ اُن کے چہرے سے اُن کے جذبات پڑھ رہی تھی اور جان جان کر لمحوں کو طول دیے جا رہی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر وہ پھر رُکی ـــــ

"میں ہمیشہ اپنے آپ کو لفظوں کی ملکہ سمجھتی رہی کہ الفاظ جس کے حضور دست بستہ غلاموں کی طرح ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں ـــــ جسے چاہوں حکم دوں اور وہ حاضر ہو جائے لیکن آج میں خود کو تہی دامن پا رہی ہوں۔ آج میں ملکہ کی بجائے ایک کنیز سے بھی گئی گزری خود کو پا رہی ہوں ـــــ الفاظ رنگین تتلیوں کی مانند پروں کو لہراتے دُور کہیں دُور نکل چلے ہیں، اور میں خالی ہاتھ سوچتی کھڑی رہ گئی ہوں۔ الفاظ تتلیاں بن کر اُڑ گئے تھے تو اُڑ گئے

کم سے کم زبان تو میرا ساتھ دے دیتی ـــــ زبان نہیں تو آنکھوں کی زبان، جو صرف تم نے پڑھی ـــــ تم نے ہی سمجھی ـــــ اور تم نے ـــــ تم نے شوکت نواب تم نے ہی بھلا بھی دی ـــــ خدا حافظ ـــــ" وہ دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹتی اپنے ننھے منے وجود کو کانپتے تڑپتے وجود کو سنبھالتی ـــــ ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلی کو مسوستی، سیڑھیاں اتر گئی تو شوکت نواب کے دل سے، ذہن سے اور یادوں سے بھی اتر گئی۔

شکرام میں بیٹھ کر وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی:
شکرام والے۔ تمہیں کچھ یتیم خانوں کے نام پتے یاد ہوں گے؟"
"جی ہو پاشا ـــــ" وہ بغیر مڑے نرمی سے بولا:
"جتنے بھی یتیم خانے تم نے دیکھے ہیں۔ باری باری مجھے سب جگہوں پر لے چلو۔"
"جیسا حکم پاشا کا ـــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔
شکرام جگہ جگہ رکتی گئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں وہ لٹاتی گئی ـــــ یتیم خانوں کے مہتمم اور نگراں حیرت زدہ سے اس مخیر اور حاتم طائی صفت لڑکی کو دیکھتے رہ جاتے جو بنا رسید کٹوائے یوں سونا لٹا رہی تھی۔
اُس کے گھر کے دروازے کے پاس جب شکرام رُکی تو اُس نے سُرخ تھیلی شکرام والے کے حوالے کر دی ـــــ جس میں بیس پچیس اشرفیاں کھن کھنا رہی تھیں ـــــ اس نے بے اعتباری کے عالم میں تھیلی میں جھانک کر دیکھا ـــــ جگر مگر اشرفیوں کو دیکھ کر وہ گنگ سا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بول پایا۔
"بخشو پاشا ـــــ میں غریب آدمی ـــــ کبھی امین صاحب (پولیس) دیکھ لے یا کوئی بھی جھوٹ سچ شکایت کر دیا تو مارا جاؤں گا ـــــ میرے کو کرائے کے ڈیڑھ روپے بس پاشا ـــــ"

وہ نرمی سے بولی: "میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں —— اور شکایت کون کرے گا؟ کسی کو پتہ ہو تب نا —— تمہارے اپنے سوا کون یہ بات جانتے چلا؟"

"پاشا ——" وہ سراپا آنسو بن کر بولا: "میرے تو پشتاں راج کریں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیں گا —— آپ کے سارے دل کے ارماں پورے کریں گا ——" وہ آگے بڑھتا پیچھے مڑتا سخت بے یقینی اور بے اعتباری کے عالم میں بمشکل باہر جا بیٹھا —— جیسے آسمان کی طرف تکتا اپنی آنکھوں میں۔

باسے خدا تو گواہ رہیو کہ تو سب سے بڑا منصف ہے کہ آج میں ہر قرض سے سبکدوش ہو گیا ——"

پازیب کی چھم چھم سن کر زمانی بیگم جیسے کمرے میں آئیں کیسی خوب صورت لگ رہی تھی —— نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔

"کیا کرنے گئی تھی بیٹی ——" وہ دُکھے دِل سے بولیں۔

"میں دُلہن بننے گئی تھی اماں ——" وہ پلنگ کی پٹی سے ٹکی اتنی اداس بیٹھی تھی کہ سارا ماحول غم میں ڈوب سا گیا تھا —— ہلکے سے مسکرا کر اس نے سر اٹھایا۔

"اماں دُلہن بننا اتنی مشکل بات ہے؟ میں تو سمجھتی تھی زیورات سے سج کر سرخ کپڑے پہن لے تو کوئی بھی لڑکی دُلہن بن جاتی ہے —— لیکن اماں پتہ چلا کہ اپنے دِل کے خون سے بھی کپڑے رنگ ڈالو تو بھی سہاگ کی سرخی نہیں ملتی ——" وہ بیٹھی اپنی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتی رہی —— زمانی بیگم یونہی دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں —— دوسرے کمرے سے لڑکیوں کی باتوں، ہنسی مذاق کی آوازیں آ رہی تھیں —— کوئی لڑکی شاید پیروں میں گھنگرو باندھے ادھر ادھر آ جا رہی تھی —— زمانی بیگم نے ماحول کا —— اس کے گرتے ماحول کا سناٹا توڑنے کی خاطر بات کی۔

"اے بیٹی —— اتنی ننھی سی جان کو جھیلا کر اتنی دیر کوئی باہر رہتا ہے —— روتے روتے ہلکان ہو گئی نامراد ——" حیا نے سر اُٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے اُنھیں دیکھا۔

"امّاں نواب صاحب اپنی زندگی سے بہت خوش ہیں ——" اس نے بے ربط جواب دیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی —— زمانی بیگم لپک کر آگے بڑھیں اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اے جانے بھی دے بیٹی —— کم بخت کے پیچھے اپنی جان ہلکان کئے دیتی ہے۔ اپنا حسن دیکھ اپنی بے مثال جوانی دیکھ —— ایسے کتنے کتنے شوکت نواب آئیں گے اور تیرے تلوے چاٹیں گے —— خوش ہوتا پھرے ہماری بلا سے —— اور خوش کیوں نہ ہوگا —— محل سے خواجہ سرا لڈوؤں کے تھال پہنچا گیا تھا —— بیگم کی ابھی چھٹیاں بھی پوری نہیں ہوئی ہیں اور رانیکاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا —— بتا رہا تھا سرکار نے محل میں کہہ رکھا ہے بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں تمہارا آج ناچ گانا رکھا گیا ہے:

"امّاں —— امّاں —— وہ کرب سے بولی: "ایک ہی ساتھ سارا توڑ دیجیے یوں قطرہ قطرہ کر کے نہیں امّاں —— بہت تکلیف ہوتی ہے امّاں ——" ماں نے ٹوٹتے دل سے بیٹی کو دیکھا: "ساری جوانی جس ایک پودے کو پروان چڑھانے میں گزار دی کیسا مُرجھا جا رہا ہے —— خداوندا اگر تو یہ کم بخت دل نہ بناتا تو تیرا کیا جاتا —— مٹھی بھر کا لوتھڑا ساری زندگی پر بھاری ——" روتے روتے اس نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا اور عجیب اجنبی سے لہجے میں بولی:

"امّاں —— آج میرا ناچنے گانے کا جی چاہ رہا ہے! ناچوں گی، گاؤں گی اور دعا کروں گی کہ خدا انہیں بیٹا دے ——" زمانی بیگم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ کہیں بٹیا کا دماغ تو نہیں اُلٹ گیا —— لیکن وہ کھلے سبھاؤ میں کہہ رہی تھی۔

"امّاں ساری زندگی تو دوسروں کے لئے ناچتے رہے —— دوسروں کو خوش کرنے

کو ناچتے رہے۔ آج ایک دن اپنے لئے بھی۔" وہ ان سے لپٹ گئی۔ "اماں آج اپنا سارا فن مجھے سکھا دو۔ موسیقی کے زیر و بم گھنگھروؤں اور طبلے کی تھاپ پہ مجھے فن کا وہ انداز عطا کیجئے کہ جب بھی ناچنے کو اٹھوں تو میرے ساتھ پوری کائنات رقص کرنے لگے ـــــ زمین و آسمان وجد کرنے لگیں۔

"اری بیٹی میں کون سی بڑی ماہرِ فن ہوں ـــــ اپنے بڑوں سے جو کچھ سیکھا وہی تم تک پہنچا دیا ـــــ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دل سے اضافے اور جدتیں خوب کیں ـــــ بٹیا ہم نے تو مروجہ اصولوں کے خلاف بریانی تک میں بھی پسی ہوئی سُرخ مرچ ڈالی اور داد پائی ـــــ موسیقی اور رقص میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کیا کہ کانوں کو بھلا لگے اور آنکھوں کو تراوٹ بخشے ـــــ ماہرینِ فن اگر دیکھ لیں کہ اپنی لڑکیوں کو بیک وقت ہارمونیم، سارنگی، ڈھولکی، مٹکی، طبلے اور تالی کی سنگت میں نچواتی ہوں تو کان پکڑ کر محفل سے نکال دیں ـــــ لیکن بیٹی میں نے تو اپنے تجربے سے اتنا جانا ہے کہ اُس مالک کی قدرت کے صدقے جایئے کہ لہروں کی ترل ترل آواز بھی ہم آہنگ ہو کر رقص کے لئے موسیقی بن جاتی ہے۔ چٹکی یا محض زبان کی تچ تچ یا تالی، کوئی بھی آواز ایک مخصوص لَے سے بجے تو رقص کے لئے سازگار بن جاتی ہے ـــــ تو پھر طبلہ؟ یہ تو حضرت امیر خسروؒ کی دین ہے ـــــ عورت ہو کر بھی اسی لئے اس کو اپنایا کہ کچھ تو حضرتؒ سے واسطہ قائم رہے۔ . . . . . "

حیا انتہائی غور سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی ـــــ زمانی بیگم خوش تھیں کہ بٹیا کا دھیان بٹ گیا ہے لیکن وہ سخت حیرت زدہ بھی تھیں کہ ناچ رنگ موسیقی سے حد درجہ اُکتائی ہوئی یہ لڑکی اچانک آج اتنے انہماک سے سبق لے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے دلِ ناکام کا بدلہ لینے اس جگمگاتی دُنیا میں لوٹ آنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ یا کچھ بھی ہو وہ ماں ہونے کے ناطے اس وقت بے حد خوش تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ اپنے غموں کے حصار سے باہر نکلی تو سہی ـــــ دھیرے دھیرے سہی، میں اُسے پھر اسی ماحول میں کھینچ لاؤں گی۔ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"اماں ـــ آج وہی تال آڑا چوتالہ دیجئے ـــ اور سارے سازوں کو اونچے اونچے سُروں میں چلنے دیجئے ـــ اتنے اونچے سُر ہوں کہ اس شور میں میرے دِل کی ہر دھڑکن دب کر دفن ہو کر رہ جائے۔ میرے قدم بے ترتیب پڑیں تو پڑنے دیں، آج ہر آزادگی روا ہے۔ ہر بے ترتیبی مباح ہے ـــ"

ناچتے ناچتے وہ بے حال ہو گئی ـــ بجانے والے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ مگر نہ ناچے گئی ـــ ناچے گئی اور تھک کر وہ ماں کی آغوش میں آ گری ـــ کلیجے کو کھرچ دینے والے درد بھرے لہجے میں ماں سے گلے سے لپٹ کر بولی۔

"اماں اتنے تیز شور میں بھی دل کی دھک دھک کتنی نمایاں ہے! کون سا جتن کروں میری اماں کہ اس دِل کا ساتھ چھوٹ جائے ـــ"

دِل کا ساتھ تو خیر نہ چھوٹا لیکن برسوں کا ماں بیٹی کا ساتھ ضرور چھوٹ گیا ـــ حیا اپنے دِل کے ہاتھوں اُجڑی اُجڑی، تنہا تنہا اور اُداس اُداس رہتی تھی۔ لیکن دستور اور معمول کے مطابق کوٹھے کی اور لڑکیاں تو اسی طرح رہتی تھیں ـــ سجتی، سنورتی تھیں ـــ ہر شام محفلیں جمتی تھیں ـــ ساز چھیڑے جاتے تھے ـــ بڑا سارا کوٹھا تھا ـــ کئی کمرے تھے۔ شب باشی کی سیجیں الگ الگ کمروں میں تھیں ـــ اپنے بندھے ہوئے اصولوں پر سارا کاج کاروبار چلتا تھا ـــ زمانی بیگم اپنی سخت مزاجی کے باوجود بہر حال ایک ماں تھیں۔ گالیاں کوسنے تیز ترش بول سب انہوں نے آج کل بھلا دیے تھے ـــ بیٹا کا دِل ایسا ٹوٹا کہ نہ خود آدمی ہو کر رہ گئی تھیں ـــ اسے کچھ بھی نہ کہتیں ـــ نہ سجنے کو نہ سنورنے کو ـــ نہ گانے کو

نہ ناچنے کو ــــ سوچتی تھیں ــــ چند دنوں میں غم ذرا ہلکا پڑے گا تو خود ہی گھنگرو باندھ لے گی ــــ دوسری لڑکیوں کے معمول بھی بندھے ہوئے تھے اور گاہک بھی ــــ خود ہی تیار ہو بیٹھتیں اور اپنی محفلیں سنبھال لیتیں ــــ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھیں ــــ حیا کا یہ تھا کہ دکھوں سے ٹوٹ گئی تھی اور ویسے دیکھا جائے تو ایک نہ دو پورے پچاس ہزار شوکت نواب شادی کی تیاری کے سلسلے میں دے چکے تھے جو بعد میں واپس لیے بھی نہیں ــــ اتنا تو ساری لڑکیاں، اور خود حیا بھی زندگی بھر مل کر کمائیں تو بھی شاید ہی جمع کر پاتیں ــــ تو اس کو تنگ کرنے سے فائدہ بھی کیا تھا اور فائدہ نقصان تو بعد کی بات تھی، اول تو خود انہی کا دل بیٹھ کر آدھی بات بھی کہنے کو نہ چاہتا ــــ کہاں یہ کہتی پھرتیں کہ "بٹیا خود کو سجا سنوار کر مسند سنبھال ــــ"

اس چار پہری کو سو کر اٹھیں تو روز کا سا سماں اور معمول تھا ــــ گجرے والا گجرے دے کر ابھی گیا تھا ــــ بنارٹن ڈھولی بھر کر پان آنگن میں رکھے مٹکوں اور صراحیوں کے پاس لال لال صافی میں لپیٹ، پانی کے چھینٹے دے کر لپیٹ گئی تھی ــــ چھڑکاؤ والا بہشتی یہاں سے وہاں تک اڑتے گرد کے بادل کو تھپک تھپک کر سلا گیا تھا اور اب سارے آنگن میں سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی جس میں اب ادھ کھلے گجروں کی کلیوں کی مدھ ماتی خوشبو بھی شامل ہو رہی تھی ــــ ماما ظہورن رات کے کھانے کے لئے گلاوٹ کے کباب تیار کر رہی تھی ــــ باورچی خانوں سے گرم مسالے کی خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی تھیں ــــ ساتھ ساتھ ظہورن کے تبصرے بھی ــــ

"مٹی پڑے کو جاؤ مو اخصائی سارے چھیچھڑے بھر کو گیا ــــ کیا کیا پال تیں گے اجاڑ۔ ہور اب دیکھو وہ موا گولی کا بچہ دودھ دے کر جائے گا سو ــــ آدھا پانی آدھا دودھ ــــ کیا تو بھی بچی دم پکڑیں گی ــــ ماں کے دودھ میں طاقت رہتی پن چھوٹی پاشا کو آتا دودھ کاں اترتا ــــ او غفورے موتے دھتی ــــ گو آئے گا تو ذرا ادھر سے بات کر ــــ

اِتی سی کی بچی دیکھو مُنہ اس کے رنج کے ساتھ بے ایمان ٹن ٹن دیکھو"

دُودھ ــــ گولی ــــ بچی سُنتے سُنتے ہی زمانی بیگم کی آنکھ کھل گئی تھی ــــ روز اس وقت اُٹھتے ہی سب سے پہلے ماما یا کریمن، یا غفورے یا چھمن خاں سے نواسی کو بلواتیں ــــ اپنے بستر پر لٹالیتیں تو تلا تو تلا کر باتیں کرتیں ــــ لپٹا لپٹا کر خوب پیار کرتیں پھر مونہہ ہاتھ دھونے کے لئے بستر سے اُترتیں ــــ آج کریمن کو آواز دی کہ بچی کو لائے تو کریمن نے جواب دیا "چھوٹی بی بی خود بھی آج ابھی تک نہیں اُٹھیں ــــ دروازہ بند ہے" یہ مونہہ ہاتھ دھو کر، اطمینان سے چائے پی، تمباکو والا پان کھا کر وہ حیا کے کمرے میں پہنچیں تو دروازہ بھڑا ہوا ہی تھا ــــ ذرا سے دھکے سے کُھل گیا ــــ انھوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی! گھبرا کر اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا ــــ نہ بچی نہ ماں ــــ باہر نکل کر کمرے میں جھانکا ــــ سب اپنے اپنے کاموں میں سا۔جے سنگار میں، سجنے سنورنے گنگنانے، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوتی تھیں۔

"اری لڑکیو! حیا کو دیکھا؟ ایک ایک سے پوچھتی گئیں ــــ نال میں جواب پاتی گئیں ــــ دھڑ دھڑ کرتے دِل کو پکڑ کے غفورے کو پکارا ــــ چھمن خاں کو آواز دی۔

"ارے نامُرادو! ــــ کہاں مر گئے سب کے سب ــــ ارے کسی نے میری بچی کو دیکھا ــــ"

چھمن خاں سراسیمہ سے بھاگے آتے: "بیگم صاحبہ میں تو پھاٹک ہی میں لیٹا رہا پر میرے سامنے سے تو نہیں نکلیں"

"اے تم پہ خدا کی مار ــــ پلنگ میں پڑے پڑے اکیلی جاتی تو کچھ نہ تھا۔ ننھی سی جان کو بھی ساتھ لے گئی ــــ ابھی اپنا آپ سنبھالنا تو آتا نہیں بچی کو کیا سنبھالے گی ــــ ارے دوڑو جاؤ دیکھو درگاہ شریف نہ چلی گئی ہو ــــ ایسے ہی آج کل اُڑی اُڑی رہتی ہے دِل کے سکون کی خاطر دُعا مانگنے۔ فاتحہ پڑھنے چلی گئی ہو گی ــــ"

یہاں وہاں سب طرف آدمی دوڑا دیے گئے ــــ لیکن دل بالموں میں بھی سب دن چوں چوں ہو گئی ــــ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہیں آ کھڑی ہوئیں ــــ غفوربا بھی آ گیا ــــ چھمن خاں بھی یونہی لوٹ آئے ــــ کریمن. ظہورن جس کی جو جانا یہاں بھیج چکی تھی ــــ اپنے اپنے ٹھکانوں تک ہو آئے ــــ کوئی خبر نہ ملی ــــ نانی بیگم نڈھال ہو کر پڑی تھیں ــــ ایک سے ایک خیالات دل و دماغ پر یلغار کر رہے تھے۔

"بدنصیب اپنی جان پر نہ کھیل گئی ہو ــــ آنسوؤں سے ہی ناطہ جوڑ لیا تھا ــــ نہ کھانا نہ پینا ــــ بات کرتی بھی تھی تو اس نامراد نواب کی ــــ کیسے کھلے پھول کی طرح تازہ خوشبودار تھی میری بیٹی۔ مگر کیسی دھواں دھار ہو کر رہ گئی تھی ــــ خدا کرے کسی جان پہچان والے کے ہاں رہ گئی ہو ــــ یا اپنی کسی ملنے جلنے والی کے ہاں چلی گئی ہو ــــ رات بھر بچی کو کیسے سنبھالے گی ــــ نامراد کے دودھ بھی تو نہیں اترا ــــ چار دن بھی نہ پلا سکی۔ اوپر کے دودھ پر ننھی سی جان پل رہی تھی ــــ ایسے ہی اٹھا کر لے کر چلی گئی ــــ نہ شیشی لے گئی نہ چمچی نہ کٹوری ــــ کاہے میں دودھ پلائے گی ــــ گدیلے اور پچھالیاں بھی تو یہیں دھری پڑی ہیں ــــ خدا جانے پیسے بھی ساتھ میں لے گئی یا یونہی اٹھ کر چل پڑی ــــ ننھی توشک اور دُلائی تو یہیں پڑی ہے ــــ رات کو سردی میں بچی ٹھٹھر بے گی نہیں۔ خود اُس نامراد نے اللہ جانے کیا کھایا کیا نہیں۔ میں نصیبوں کی جلی سوتی رہی، اب جانے کب آئے؟" ایک سے ایک خیال آتا تھا اور نئے سرے سے ان کے دل میں ہول اٹھتے تھے۔

"بڑے بڑے تالاب ہیں کہیں بچی سمیت جان دے دی تو ڈھونڈے سے لاشیں بھی نہ ملیں گی"

پھر توبہ توبہ کرتیں ــــ میری عقل پر پتھر پڑیں۔ جنے کیسی بُری بُری باتیں سوچ رہی ہوں ــــ مریں اس کے دشمن ــــ اٹھارہ انیس سال کی عمر بھی کوئی مرنے کی عمر ہوتی ہے ــــ مجھ دُکھیا کو چھوڑ کر مرے گی کیسے ــــ اُسے پتہ نہیں کیا کہ ایک وہی ہے میری ــــ پوری دُنیا لوگوں سے بھری ہوئی ہے ــــ لیکن میری اپنی تو بس وہی ایک ہے۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر

چلی جائے گی ـــــ آجائے گی۔

وسوسوں میں ایک دن گزرا ـــــ روتے بلکتے دوسرا دن گزرا ـــــ پھر سر پیٹتے اپنے آپ کو نوچتے تیسرا دن گزرا۔ اور پھر دن گزرتے ہی چلے گئے اور روتے روتے زمانی بیگم کی آنکھیں دھندلی ہوتی گئیں لیکن حیا کو نہ آنا تھا نہ آئی ـــــ عمر ڈھل گئی تھی لیکن زمانی بیگم کی اپنی ایک ادا تھی ـــــ ایک انداز تھا ـــــ ایک ٹھسّہ تھا۔ محفل میں جس جگہ بیٹھ جاتیں لگتا کہاں بیٹھی ہیں ـــــ خضاب کئے ہوئے سیاہ بال ـــــ کانوں کی موتی بھری ـــــ گہرا گہرا کاسنی۔ پوڈر غازہ سے سرخ و سفید چہرہ ہونٹوں پہ لالی، اور اس کے اوپر مسّی کی اودی اودی دھڑی ـــــ ہلکا پھلکا زیور۔ ناک میں ہیرے کی لونگ۔ لشکارے مارتی ہوئی ـــــ کانوں میں نو رتن کے پھولوں کے ہالے ـــــ بھر بھر چوڑیاں ہاتھوں میں ـــــ انگلیوں میں سجاوٹ کی انگوٹھیاں بھی تھیں۔ تال اور ٹھیکے دینے کے لئے بھاری سونے کی انگوٹھیاں الگ ـــــ شادی بیاہ کا موقع آتا تو پپوٹوں کے اوپر اور آنکھوں کے نیچے ہلکی ہلکی افشاں بھی چن لیتیں ـــــ بڑی متوالی اور سامیان کو زیر و زبر کر دینے والی آنکھیں تھیں ـــــ اور اس پہ مستزاد ہنسی ـــــ لوگ ہونٹوں سے ہنستے مسکراتے ہیں، اور وہ آنکھوں سے یہ کام لیتی تھیں ـــــ اسی لئے جس کونے میں بیٹھ جائیں وہ کونہ ہنسنے لگتا ـــــ کہنے والے کہتے: "اس عمر میں بھی ماں چاہے تو بیٹی کا گاہک تڑا لے ـــــ" ایسی چھب تھی کبھی چوڑی دار، کبھی غرارے ـــــ

لیکن اب وہی دمکتی چمکتی زمانی بیگم تتر بتر ہو گئیں ـــــ خضاب چھوٹا تو یہاں وہاں سے سفید سفید بادل جھلکنے لگے ـــــ کاجل والی آنکھیں روتے روتے دیے میں پڑی بتی کی طرح چرمر ہو گئیں ـــــ غازے پوڈر سے اجلائے گئے گال آنسو پونچھتے پونچھتے چندیوں اور دھجیوں کی طرح لٹک آئے ـــــ کہاں تو جس جگہ بھی بیٹھ جاتی تھیں وہ کونا بھرا بھرا ہنستا بستا لگنے لگتا تھا، اب پائنتی پڑی گڑی تڑی مڑی لحاف کی طرح کہیں بھی پڑی رہتیں تو

لوگوں کو نظر بھی نہ آتیں ـــــ لڑکیوں بالیوں نے یہ ویلیرے دیکھے تو پہلے ہی کون سا اچھا رہتی تھیں اب تو بالکل ہی کونے میں ڈال دیا ـــــ چوک کے اس جم گھٹے کی وہ رنگت ہی بدل گئی۔

کہنے والے غلط نہیں کہتے کہ رنڈی ہوتی تو سدا سہاگن ہے لیکن ایسی سہاگن کا برا بھلا وقت پڑے تو کوئی سہاگ ایسا نہیں ہوتا جو وقت پر سہارا دے ـــــ بیمار پڑے تو تیمارداری کرے۔ بوڑھی ہو تو خدمت کرے ـــــ جس طرح دولت آتی ہے، ایسے ہی جاتی بھی ہے ـــــ زمانی بیگم کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسے تیسے اور ٹھٹے کی ایسی زبان چلانے والی عورت یوں دھول مٹی ہو کر کونا پکڑ لے گی ـــــ ان میں تو اٹھنے بھر کا بھی دم نہیں رہ گیا تھا ـــــ چاروں پانچوں لڑکیوں نے صلاح مشورہ کر کے پورا جمع جتھا قبضے میں کیا اور نئے نئے ٹھکانوں پر جا کر بیٹھ گئیں ـــــ غفورا سدا کا بھگوڑا تھا۔ بار بار بھاگتا ـــــ بار بار چمپن خاں پکڑ پکڑ کر لاتے کہ بیگم صاحبہ کو باہر کے سودا سلف کی آسانی تھی۔ اب وہی ڈھے گئیں تو کون بازار کا کوڑی پھیرا کرواتا ـــــ کریمن کو صابر اپنے ساتھ لگائے گئیں ـــــ ظہورن تو ہمیشہ سے باورچی خانے کی سلطنت کی ملکہ تھیں۔ کبھی تو ادھر قدم نہ دھرا ـــــ اس اللہ کی بندی کو تو یہ تک بھی معلوم نہ تھا کہ رات ہوتے ہی یہاں کیسے دن نکل آتا ہے اور کیسے کیسے سہاگ چڑھتے اور بن برات دولہے آتے ہیں۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کی دی ہوئی باورچی خانے سے لگی کوٹھری میں بے حد مگن رہتی ـــــ بلا ضرورت نہ بیگم صاحبہ سے بات کرتیں نہ کسی اور سے ـــــ ہاں خود سے جی چاہتا تو تبصرے پہ تبصرے حالات حاضرہ پہ کئے جاتیں ـــــ بیگم صاحبہ کے بیمار پڑ جانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ـــــ جانے والیوں نے البتہ ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو خوب غصہ ہو کر بولیں:

"تم حرام خور نیاں جاتے ـــــ جاؤ ـــــ اُنوں میرے کو جیتے جی کھانے کو ٹکڑا

پریتے، پہننے کو کپڑا ـــــ مرتے پہ زمین کا ٹکڑا بھی دیں گے مور کفن کا لٹھا بھی ـــــ بھائیں بھائیں کرتے گھر میں صرف ایک چھمن خاں تھے جو صحیح معنوں میں بیگم صاحبہ کے غم خوار تھے پکڑ دھکڑ کر زبردستی چند نوالے کھلا دیتے ـــــ وہ تھوک تھوک کر اُگل دیتیں ـــــ یہ مونہہ صاف کرتے ـــــ ذرا ہوش میں آئیں اور طاقت پائیں تو اٹھ اٹھ کے گلی میں بھاگتیں ـــــ ایک ایک کو پکڑ کر غور سے دیکھتیں اور پوچھتیں :

"تم حیا تو نہیں ؟"

"تم نے میری بیٹی کو تو نہیں دیکھا ـــــ ؟" محلّے میں سارے لوگ ان کی بپتا سے باخبر تھے، کوئی کچھ نہ کہتا ـــــ لوگ ترس کھا کر ہٹ جاتے ـــــ راستہ چھوڑ دیتے ـــــ چھمن خاں انہیں پکڑ کر گھر لاتے ـــــ مونہہ دُھلاتے ـــــ ظہورن سے کہہ کر کپڑے بدلاتے ـــــ بیگم صاحبہ کی ایسی حالت دیکھ کر ظہورن نے اب باورچی خانے سے آگے بڑھ کر گھر سنبھالنا بھی شروع کر دیا تھا ـــــ اپنی بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی آدھی رہ گئی تھیں ـــــ تو مانی بیگم ذرا حواسوں میں آتیں تو چھمن خاں اور ظہورن کو دل کی بپتا سنانے بیٹھ جاتیں ـــــ وہ حیا کی ساری تباہی کا ذمّے دار خود کو سمجھتی تھیں اسی لیے اتنا کُڑھ بھی رہی تھیں ـــــ کیا لڑکیاں، ان کے طبقے اور ماحول کی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگ جاتیں، تو کیا بھاگنے والی لڑکیوں کے پیچھے مائیں یونہی اپنے آپ کو تباہ کر لیا کرتی ہیں ؟ وہ سوچتیں ـــــ نواب کو ساری ڈھیل میں نے دی ـــــ حیا کو بنا سنوار کر، اس کے پاس تنہائی میں نواب کو بھیجا ـــــ جوان لڑکی ـــــ خوب صورتی، تنہائی اور قدرتی شرم ـ ساری چیزوں نے مل کر نواب کو پاگل کر دیا اور وہ دل سے گزر گیا ـــــ لوگ کوٹھوں پر نماز پڑھنے نہیں آتے ـــــ وہی کرنے آتے ہیں جو نواب نے کیا ـــــ لیکن میں چاہتی تو عین نکاح والے دن بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر نواسی کو گود میں لے کر سارے حیدرآباد کے سامنے ناک نیچی کر سکتی تھی ـــــ لیکن یہاں بھی میری ہی خود غرضی کام آئی ـــــ میں نے سوچا

گھر کی آمدنی گھر ہی میں لگ گئی —— ٹال گئی —— یہ نہ سوچا کہ نیر دی بعد دماغ گڑ گیا اس
سود و زیاں کو اپنے حق کا نوٹس بنا لے گی —— پہلے زیب شادی کر کے تین طلاقیں
دے دیا، یہ اس کا اپنا مقدر ہوتا جو وہ خود بھگت لیتی —— لیکن میں تو اس قتل میں خود کو
ملوث نہ پاتی —— اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل ہے اور اس قتل کے چھینٹے میرے تن دامن
پر ہیں ——" پھر وہ چلا چلا کر رونے لگتیں —— آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر
دُعا کرتیں، بین کرتیں —— اپنا مقدمہ اپنے اوپر والے کے رُوبرو پیش کرتیں۔

"اے مالک تو صاحبِ بصارت ہے —— دُور بیٹھا ہے لیکن بڑا بصیر ہے ——
دیکھ لے یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے —— تو قادرِ مطلق ہے —— سب کے نصیب
تو ہی بناتا ہے —— میرے نصیب بھی تو نے ہی بنائے —— میں اپنے نصیب کی کاتب
ہوتی تو یہ سب دربدری، یہ آلام، یہ گناہ کی زندگی کیوں لکھتی —— چین آرام کی سُکھ
بھری زندگی نہ لکھتی —— ؟ اپنے ہاتھوں خود بننے والا رہتا تو کوئی انسان آج بدصورت ہوتا
نہ غریب ہوتا نہ بدنصیب ہوتا —— یہ سب تو تیرے ہاتھ کے کھیل ہیں مالک —— تیرے
لکھے کو ہم لوگ بھوگ رہے ہیں، تیری دُنیا کے راز تو ہی جانے —— لیکن میرے مولا
تو جو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نصیب کا لکھا لکھ دیتا ہے تو میں گنہگار کیسے ہوئی، یہ تو
تیرا اپنا لکھا تھا جو میں نے پورا کیا —— اس میں میرا اپنا قصور اور گناہ کہاں ہوا ——
میں اندھی تھی تو نے ہاتھ میں جو لاٹھی تھما دی اسے پکڑ کر میں چلتی گئی —— پھر میرے سر پہ
رُسوائیاں کیوں —— جو رُسوائیاں تو نے دے بھی دیں تو یہ دلِ حساس کیوں دیا —— ساری
زندگی ہی گنہگار ہوں اور بے حسی میں گزارنے کا حوصلہ بھی دے دیا ہوتا —— احساسِ گناہ کیوں
دیا —— معافی اور توبہ کی خواہش کیوں دی —— اور جب دے ہی دی تو معاف کرتا
کیوں نہیں —— اور جو معاف نہیں کرنا چاہتا تو یہ زندگی کی سزا ختم کر دے ——" وہ
دھاڑوں دھاڑ روئیں —— میں ہار گئی رے مالک —— ہار گئی ——"

نواب شوکت کے محل سے جب صاحب زادے پاشا کی ولادت کے لڈو اور ناچنے گانے کا نیوتہ دینے۔ دیوان جی ——— خواجہ سرا اور دربان پہنچے ہیں تو زمانی بیگم کے کوٹھے پر اُلو بول رہے تھے ——— بڑی دستکیں دینے کے بعد ظہورن باہر نکلی ———

"کیوں مُنّی بی ——— زمانی بیگم کا کوٹھا یہی ہے نا ———" کسی نے پوچھا ——— ظہورن کو تو آج تک زمانی بیگم کا نام ہی معلوم نہ تھا ——— ان کے لئے تو وہ صرف بیگم صاحبہ تھیں ——— بولیں :

"یا تو پوچھو ——— میرے کو نئیں معلوم ———" پڑوس کے دروازے پر گئے ——— ایک بڑے میاں نکلے۔

"کیوں حضرت ——— زمانی بیگم یہاں پر ہی رہتے تھے نا ؟" دیوان جی نے پوچھا۔

"وہ دہلی والی ———"

"دہلی لکھنؤ تو ہم کو نئیں معلوم ——— اتنا معلوم ہے ان کی ایک بہوت ہی بہوت خوب صورت بیٹی حیا ہوتی ———"

"ہاں وہی تو زمانی بیگم تھیں ——— مر گئیں بے چاری۔ وہ افسوس سے بولے۔

"ہائیں ——— ابھی سال بھر بھی تو نہیں ہوا وہ لوگاں محل پہ ناچنے گانے آئے تھے۔ بڑے میاں ذرا جز بز ہو کر بولے۔

"جناب ——— آپ سال بھر کی بات کرتے ہیں ——— آپ تو مجھے اتنا ہی یقین دلا دیں کہ اگلے لمحے تک ہی آپ زندہ رہ جائیں گے ——— ارے جناب یہ اس مالک کے کھیل ہیں وہی جانے ———"

دیوان جی تاسف سے بولے ———" لیکن ہوا کیا تھا ——— ؟

"جی بس ان کی صاحب زادی حیا مع اپنی شیر خوار بچی کے اچانک لاپتہ ہو گئیں بہت تلاش کروائی، کچھ پتہ نہ چلا ——— اسی غم میں جان سے گزر گئیں۔

"ان کے گھر کے دوسرے لوگ ۔۔۔ اور سازندے ؟"

"گھر کے اور لوگ تو کہیں اور جا کر بس گئے ۔۔۔ رہے سازندے ۔۔۔ تو ایک بڑے حضرت رہ گئے تھے بس ۔۔۔ اتنے وفادار تھے کہ جس دن بیگم صاحبہ بری ہیں اس دن سے مارے غم اور صدمے کے زبان ہی بند ہوگئی تھی ۔۔۔ اور بالآخر اسی غم نے انہیں بھی وہیں پہنچا دیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا ۔۔۔" ماحول پر عجیب عبرت ناک سناٹا چھا گیا تھا ۔۔۔

شوکت محل میں جشنِ ولادت اپنے عروج پر تھا ۔۔۔ ایک تو نواب شوکت نے شادی ہی عام نوابوں کے حساب سے ذرا دیر سے کی تھی۔ اس لئے اماں حضور کو اولاد ہونے نہ ہونے کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ لیکن جب خدا کے فضل سے شادی ہوئی تو ابھی پانچ جسمے بھی نہ گزرے تھے ۔۔۔ چمگیاں بھی نہ ہوئی تھیں کہ بہو پاس حمل سے ہوگئیں محل میں مل بیٹھنے والیاں، موتہہ بلوئیں اور آنچلوں میں چھپا چھپا کر ہنستی اور آپس میں بولتی تھیں ۔۔۔

"اے تو ماں ۔۔۔ پہلی رات کو ایچ حمل رہ گیا ہے کی ۔۔۔؟"

"بہو بڑا ایسا ایچ ہوا ہوئیں گا ۔۔۔ دولہن پاس کے پھول آئے ہوئیں گے ۔۔۔ شادی کی رات پڑتی سو آگوں اسی دن پا کی کا نہانا نہائے ہوئیں گے ۔۔۔ پھر دوسرے دن مرد سے مل کر آگوں بستر ے کا پانی نہانے ہور سمجھو ہی ایچ رات کو استقرار ہوگیا"۔

"توبہ تو بہ ماں ۔۔۔ کیا بڑے بڑے باتاں کرتے جی تے رانڈاں ۔۔۔ کوئی چھوکریاں سنتے تو ۔۔۔"

"آج کل کے چھوکریاں کو سب معلوم ہے ۔۔۔" دھیرے دھیرے یہ باتیں اماں حضور کے کانوں پر بھی گئیں اور جو بے اولادی کا دھڑکا ان کے جی کو لگا تھا

اسنے دور کیا ——

"آپ خوا مخواہ فکر کرتے پاشا —— " خواصوں میں سے ایک بڑی "میرے کو معلوم —— متی ہوئی تھی —— اُنکے سرکار کے کمرے میں غلطی سے ایک رات کو چلی گئی تھی تو اس کو دائی ماں کی ضرورت پڑ گئی تھی دو مہینے کے بعد —— ہو —" اب نا اصل ماماکنیزوں کی بات کا کیا اعتبار —— لیکن جب خود بدیپاشا کو بنہ ڈھنگی چال چلتے دیکھا تب اماں حضور کا دل ول میں آیا —— پھر خدا کی عظیم قدرت دیکھ کر پہلی بار ہی بیٹا ہوا —— ایسی خوشی کے موقعے پر جتنا بھی بڑا جشن ہوتا کم ہی تھا —— کوئی اجنبی آ نکلتا تو یہی سمجھتا کہ یہاں کوئی شادی رچی ہی ہے —— وہ سجاوٹ تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جارہی تھیں —— باہر یہاں سے وہاں تک شامیانے لگے ہوئے —— لانوں میں جتنے درخت پودے تھے سبھوں میں ننھے ننھے قمقمے لگا دئے گئے تھے —— سرخ رنگ کے ہرے رنگ کے —— دور سے ایسا لگتا تھا کہ جھاڑوں اور پودوں میں پھول پتے چمک رہے ہیں —— رنگین اور چمکدار پنیوں کے پھول پتے شامیانوں کی جھالروں پر لگائے گئے تھے —— اندر گدیلوں پر سفید چاندنیاں، ان پر مسندیں —— گاؤ تکئے —— ہال الگ سجا ہوا —— آج مہمانوں کا کوئی حساب نہ تھا —— گانے، ناچنے والوں کے لئے بھٹیارے الگ ایک سے پکوان پکائے گئے تھے —— اندر معزز مہمانوں اور خاندان والوں کے لئے سارے محل کے باورچی جتے ہوئے تھے —— ڈومنیں زچہ گیریاں گارہی تھیں ——

"اجی سونف مکھانے کیوں نہیں لاتے" —— "اجی میں بھول گیا تھا ——"

ایک میراثن دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"آگے سونف ٹھنڈی رہتی گے —— زچگی جاپے میں سونف نہیں سونٹھ دیتے —— سونٹھ مکھانے کا —— " دوسری نے جلدی سے ٹکڑا لگایا: "سونٹھ مکھانے کیوں

لاسنہ۔ ــــ اجی میں بھول گیا تھا ـــــ اجی میں بھول گیا تھا ـــــ" یہ تو ز چہ گیریں کی بات تھی ـــــ لیکن در اصل آج نواب شوکت ایک بھی چیز لانا نہیں بھولے تھے ـــــ آج وہ اس درجہ خوش تھے کہ ان کے ہونٹ مارے ہنسی کے مل نہیں پا رہے تھے ـــــ بس مونہہ کھلا کا کھلا ہی رکھا تھا ـــــ میوے سے لے کر زر زیور کپڑا لتا ـــــ اُنہوں نے تو محل میں بازار سجادیا تھا ـــــ میوے ـــــ ایسے ایسے میوے یہاں سے وہاں تک بادام کی گریاں ـــــ منقے، کاجو، پستے، کشمش، خرمے، چھوارے، چرونجی، خشخاش بھوپے، چلغوزے، اخروٹ کے ڈھیر کے ڈھیر لگے رکھے تھے ـــــ لونگ، الائچی، جائفل، سپاری چکنی، مکھانے، سونٹھ، جوز، جاوتری، زملی، ایک۔ ایک میوہ اور مسالہ تیار رکھا تھا کہ بہو پاشا چالیس دن تک ستینے کے لڈو کھائیں، جو ستیں میٹوں مسالوں سے مل کر تیار ہوتا تھا کہ جب جلد نہا کر اٹھیں تو چاق و چوبند اٹھیں کہ دوسرے بچے کا وزن ہنسی خوشی جھیل سکیں ـــــ چھ ماہ تک یہ لڈو کھلائے جائیں گے ـــــ صبح ہی صبح دودھ زعفران اور پسے مرے بادا موں کے ساتھ اصلی گھی سے بگھار کر آگ پلایا جائے گا کہ بچے میں مردانہ صفات اور اوصاف جلد سے جلد پیدا ہوں ـــــ بھئی قسمت والیوں کو پہلوٹھی کے بچے اللہ عنایت کرتا ہے ـــــ بیٹا پہلا ہو تو باپ کا بازو بنتا ہے ـــــ کام کاروبار سنبھالتا ہے ـــــ زندگی کا بوجھ اُٹھا لیتا ہے ـــــ یہاں کون سے بوجھ اُٹھانے تھے ـــــ نواب شوکت خود کون سے بوجھ ڈھوتے آتے تھے ـــــ لیکن بیٹے کا باپ بنناہی کچھ اور ہوتا ہے ـــــ ایک غرور سا، نشہ سا رگ و پے میں بکھر جاتا ہے۔

داوی اگا پھولوں نہیں سمارہی تھیں ـــــ رہ رہ کر بہو بیگم اور پوتے پر داری بلہاری جارہی تھیں ـــــ دُلہن پاشا سنتے سرسنے دُلہن بنی بیٹھی تھیں ـــــ ایسا سنگھار تھا کہ دُلہنوں کو شرم آجائے ـــــ وہ نُور اُترا تھا کہ چاند بدلی میں چھپا چھپا جائے ـــــ سچ ہے عورت پر تین بار ہی تو نُور اُترتا ہے ـــــ شادی کے دن ـــــ ماں بننے کے

دلن اور سُہاگن مرے تو موت کے دن ــــ

یہ مال بننے کا نور تھا، جو دن گزرنے پر بڑھتا ہی جاتا ہے ــــ اور آج تو دس ہی دن ہوتے تھے ــــ ابھی تو چہرے کو چودھویں کا چاند بنتا تھا، پھر بھی جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا ــــ مردانے سے لے کر زنانے تک ایک ایسی رونق لگی ہوئی تھی کہ دیکھے سے جی نہ بھرتا ــــ اپنے چاندی کے چھپر کھٹ پر دُولہن پاشا آدھی لیٹی، آدھی بیٹھی، سارے ہنگاموں سے لُطف اندوز ہو رہی تھیں ــــ پاس بیٹھی سُسرالی، رشتے دار ننددوں لڑکیوں کی باتیں مزے لے لے کر سُن رہی تھیں ــــ اسی دم باہر سے ساز چھیڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اے بے اب تو گانا ناچنا ہوئیں گا ــــ چلو چلمنوں کے پیچھے سے تماشا دیکھیں گے ــــ لڑکیوں میں شور مچا ــــ

"اونہہ چلمنوں کے پیچھے سے کائے کو ــــ دروازوں کے پاس سے جھانکیں گے جی ــــ اتنے لوگاں میں کون کس کو دیکھنے چلا ــــ" اپنا آپ نمایاں کرنے کی ادا عورت ذات میں جانے کتنی پُرانی ہے ــــ

"ایسے جوتے پڑیں گے ــــ امّی حضور کی ڈانٹ معلوم نئیں کیا ــــ؟"

"ڈانٹنے دیو ــــ روز روز ایسے موقعے تھوڑی آتے ــــ پھر کتے خوبُ صورت خوبُ صُورت ناچنے گانے والیاں ہیں ــــ آپا!" کوئی سینہ تھام کر بولی۔

"آئی چلو ماں ــــ کوئی خوبُ صورت نہیں اتے ــــ میں غور سے دیکھی۔ اُجاڑ کیا کیا تو بھی مونہہ پر تھوپ تھوپ کر آتیاں ہورا تا زرزیور پہنے تو نئیں لگتا کیا واہ انسان بھی خوبُ صورت لگتا ــــ"

"بے فضول کے باتاں کرو نکو ــــ وہ حیا آتا تی (طوائف) کیسی خوبصورت تھی آپا ــــ میں سچی بولیتوں اُس کے مونہہ پر نظر نئیں ٹھیرتی تھی ــــ کیا چاند

سورج کے ویسا چہرہ تھا ——"

"وہ اس واسطے تھوڑی خوب صورت لگتی تھی کی اُنے زر زیور پہ سنگھار بہوت کرتی نئی —— آگے وہ تو بات ایچ کچھ اور تھی —— ایک رازداری سے بولی۔

"کیا بات تھی ——" دوسری دو چار نے تجسّس سے پوچھا۔

"آگے وہ نواب صاحب کو چاہتی ہوئیں گی" پہلی والی نے فیصلہ سُنادیا۔

"چل کے پاگل کدھر کی —— تیرے کو معلوم بھی پڑ گیا جیسا ——"

"پھر کیا عورت کی نظر چھپتی نئیں ——"

"مرد کی بھی کہاں چھپتی ——"

"ہو —— وہ تو بی ایچ —— یاد نئیں کیا نواب صاحب بھی اُس کو کیا دیکھ رہے سکتے —— آیا —— کیسے نظراں سکتے کی بس ——"

"آج آئیں گی تو مزہ آئیں گا نا ——"

"آج وہ نئیں آئیں گی ——"

"کائے کو —— ؟" بہت ساری آوازوں نے بیک وقت افسوس اور تجسّس سے پوچھا ——

"وہ بلدہ چھوڑ کو چلی گئی بولتے ——"

"بلدہ (حیدرآباد) چھوڑ کر ایچ چلی گئی —— ؟ مگر کیوں —— ؟"

"اللہ معلوم —— باہر دو چار لوگاں بات کر رہے سکتے۔ کلا بیان نے کر گئی تو سُن کر آئی —— وہی ایچ میرے کو بولی ——"

"اُنے ہوتی تو بہوت اچھا رہتا تھا نا —— کتا اچھا گانا گاتی تھی نا ——"

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نئیں

دُلہن پاشا نے ہولا کر اپنے سر پر جگمگاتے فانوس کو دیکھا ـــــ اپنے اطراف بکھرے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب کو دیکھا ـــــ بڑے اطمینان سے سوتے اپنے ننھے منے بچے کو دیکھا، ان کا دِل دہل گیا ـــــ چاندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کا وجود ہل گیا ـــــ دھیرے سے اپنی خلیری نند کو پکارا ـــــ

"شرفو ماں ـــــ" شرفو لپک کر آئی۔

"جی بھابی پاشا ـــــ"

"بی بی فضا اپنے بھائی پاشا کو بُلا کر لاتے ـــــ"

"ابھی لاتیوں بھابی پاشا ـــــ" اور وہ اپنا کرن ٹکا ہرا دوپٹہ سر پر جماتی تیزی سے مرفانے کی طرف لپکی ـــــ

خواجہ سرا زنانے سے نیوتہ لے کر مرفانے میں پہنچے ـــــ شوکت نواب دوست احباب و مصاحب اور ملنے جلنے والوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ پانوں کے دور چل رہے تھے ابھی ناچنے والیوں نے گھنگرو نہیں باندھے تھے ـــــ تال دینے والیوں نے چوڑیاں نیچے کھسکا کر آستینیں نہیں اُٹھائی تھیں ـــــ سازوں کو کھنگالنا شروع ہو چکا تھا ـــــ ڈھولکیوں کے کردوڑے کئے جا رہے تھے ـــــ طبلوں کی ڈگیاں اور گتیاں ٹٹولی جا رہی تھیں ـــــ ڈگیوں کو تھپ تھپا کر ـــــ اور گتیوں کو نیچے اوپر سرکا کر طبلوں کو سُر کیا جا رہا تھا ـــــ ہارمونیم بجانے والے پردوں کو اپنے کلیجے سے دور، پرے کر کے اپنے فن کو آزما رہے تھے ـــــ ڈھول، تاشے سارنگی، دف گھنگرو ـــــ ماحول گونج رہا تھا ـــــ جگمگا رہا تھا ـــــ ایسے رنگین ماحول سے اُٹھ کر جانا نواب شوکت کو کھل گیا، لیکن بلاوا دُلہن پاشا کا تھا ـــــ جنہوں نے اس ہنگامے کو جنم دیا تھا ـــــ ایک بیٹے کی ماں کا بلاوا ـــــ وہ جھومتے ہوئے اُٹھے ـــــ اپنے وزن کو سنبھالنے میں، بیٹھے سے کھڑے ہونے میں، خون ان کے تر و تازہ چہرے پر چھلک چھلک اُٹھا ـــــ قدم قدم پر سینکڑوں نگاہیں

اُن کے سراپے پہ فدا ہونے لگیں ـــــ

دُلہن پاشا تک پہنچتے پہنچتے تو چہرہ مَردانے سے زنانے تک کا لمبا جگمگاتا فاصلہ طے کرنے میں ہلکے ہلکے پسینے سے چمک اُٹھا تھا ـــــ اتنا خوبرو مرد ہو تو کسی اتائن کا کیا ہے، سات پردوں میں رہنے والی بھی جی ہار سکتی ہے ـــــ دُلہن پاشا نے بڑے انداز سے پوچھا :

"میرے بُلانے پر عقبہ تو نئیں آیا آپ کو ــــ" وہ خوش دلی سے ہنسے۔

"آپ تو زندے کو بلاتے ــــ مُردے کو بھی بلاتے تو ہم قبر سے اُٹھ کر آجاتے"

"اللہ مَر جاؤں ـــــ" دُلہن پاشا گالوں کو چھلّے اور انگوٹھیوں بھری انگلیوں سے ہولے ہولے مارتی ہوئی بولیں۔ کیسی بُری زبان ہے کالے جی آپ ـــ اللہ نہ کرے کی آپ چھاؤں کو بھی کچھ دھکّا لگو ــــ" وہ زور سے ہنسے۔

"اچھا یہ تو بتائیے کو یہ بے وخت یاد کیسے کئے آپ ــــ" بھولی بھالی بیگم نے دل کے وُبدے کو چھپائے بغیر صاف سیدھے انداز میں پوچھا۔

"آپ خود تو حیب اتائن کا گانا شوخ سے سُننے مگر ہم کو کبھی نہیں سُناتے ـــ"

نواب شوکت نے دماغ پر زور ڈالا ـــــ کچھ دیر ماتھے پر اُنگلی ٹکا کے سوچتے رہے، پھر بولے :

"حیا ــــ ؟ حیا کون ــ ؟"

دُلہن پاشا کے دل کو قرار آگیا ـــــ نواب صاحب کے چہرے پہ بناوٹ کا نام نشان تک نہ تھا ـــــ جو مرد ماضی میں برتی ہوئی عورتوں کو اس آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ ماتھے پہ اُنگلی ٹیکا کر دیر تک سوچنے پر بھی یادوں کے اُفق پہ کوئی چاند نہ جگمگائے وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں ـــــ وہ مُسکرا کر بولیں :

"آپ کو ابھی تک یاد نئیں آیا ــــ ؟"

اس بار انہوں نے "آہا ــــ اچھا ـــــ اچھا ـــــ وہ" کہہ کر بڑے خلوص سے

اعتراف کیا ـــــ "ہاں یاد آگیا ـــــ ایک بار یہاں محل میں آئی تھی ـــــ ہم ہی بلوائے تھے ـــــ بچی بہوت ہی اچھی آواز تھی ـــــ ناچتی بھی خوب تھی ـــــ گاتی بھی خوب تھی ـــــ وہ اطمینان سے چاندی کے چھپر کھٹ پر ٹک گئے ـــــ جوتے سمیت پاؤں اٹھا کر اوپر ہی رکھ لئے اور مزے مزے سے سننے لگے ـــــ

"اصل میں اس کی ماں جو تھی نا، وہ ناچنے گانے کے اور بجانے کے فن سے بھی بہت اچھی واقفیت رکھتی تھی ـــــ ان ماں بیٹی کے ساز مذے بھی خوب تھے ـــــ ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا معلوم ـــــ ان کے اُستاد طبلے کے بڑے اچھے اُستاد تھے ـــــ ناچنے سے پہلے اُنوں کوئی بھی ایک تال خوب دیر تک بجاتے تھے ـــــ اب ہم تو اتنی باریکی سے نہیں سمجھ سکتے نا ـــــ کسی کو وہ جھپ تال بولتے تھے ـــــ کسی کو تال دادرا ـــــ اور بھی اللہ معلوم کیا کیا ـــــ پھر جب سننے والے دھا دھا اور تن تن اور بھی نہیں معلوم کیا سُن کر میت ہو جاتے تھے تو وہ بہت سارے سامان بجا بجا کر اپنی بیٹی کو ـــــ ہمارا مطلب ہے وہ ماں اپنی بیٹی کو نچانے کو کھڑا کر دیتی تھی ـــــ آپ پوچھو نا یہ سب لڑکیاں دیکھے ہوئیں گے ضرور ـــــ" انہوں نے پاس، دُور کھڑی لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے بڑے خلوص سے کہا

"ہور وہ گانا بھی بہت اچھا گاتی تھی ـــــ؟"

"گانا تو گانا ـــــ آواز اتنی اچھی تھی کی ہم کو مثال یا تشبیہہ بھی نہیں سوجھتی ـــــ سچی اس معاملے میں تو آپ بدنصیب ہیں ـــــ" وہ چھپر کھٹ پہ رکھے خاصدان میں سے ایک سونے کے ورق میں مڑھی گلوری مونہہ میں ڈال کر بچے کے گال کو اُنگلی سے چھونے اور ہنسنے لگے ـــــ مرد اگر کسی عورت کے ذکر پہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، آنکھیں جھپکانے لگے ـــــ ذکر سے کترانے لگے یا جان بوجھ کر اس موضوع سے دُور بھاگنے لگے تو سمجھو کہ پانی مرتا ہے ـــــ اور یہی چیز خطرے کی علامت ہے لیکن جب کوئی مرد کسی غیر عورت

کے بارے میں بڑے کھلے دل سے بات کرے تو سمجھو کہ واقعی اس کا دل کھلا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں ـــــ کم سے کم اس عورت سے متعلق تو کچھ بھی نہیں جس کی بات اس وقت چل رہی ہے ـــــ

"کیوں میں کانے کو بدنصیب ہوں ـــــ" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"اب یہ بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ اتنی اچھی ناچنے والی کا ناچ دیکھے نہ گانے والی کا گانا سُنے ـــــ"

"تو اب سُنوا دیجئے نا ـــــ"

"اب ـــــ؟" وہ 'اب' کو لمبا کر کے بولے ؛ "ارے باوا دہ تو کب مر کھپ گئی خدا معلوم ـــــ" اور ایسا کہتے ہوئے وہ ذرّہ بھر بھی اداس نہ تھے نہ غمزدہ ـــــ اپنے بچے اور بیوی کے پاس بیٹھے وہ دُنیا کے سب سے مطمئن اور مسرور شخص لگ رہے تھے دُلہن پاشا کا دل ہر وسوسے سے پاک ہو گیا ـــــ لاڈ سے مسکرا کر بولیں ؛

"اُئی واہ ـــــ سلیم شاہی جوتے ہیں تو کیا خدائی تحفہ ہو گئے کہ میرے ریشمی بستر پہ بھی لے چڑھ گئے آپ ـــــ بعد اب باہر جائیے نا ـــــ ایک بات پوچھنے کو بلائی تو یہیں جم کر بیٹھ گئے ؛ باہر گانا شروع ہونے والا ہوئیں گا ـــــ لوگاں کیا سوچیں گے ـــــ"

"لوگاں کیا سوچیں گے، وہ تو لوگاں سوچیں ـــــ" وہ دُلہن پاشا کے دس دن کے دودھ سے بوجھل سینے کو للچائی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے ؛ "ہم آپ کو بتانا کیا کی ہم کیا سوچ رہیں ـــــ؟" دُلہن پاشا شرم، خوشی اور فخر سے سُرخ ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

"موئی ـــــ یہ پوتیاں بھی ایک نمبر کے لپاٹیاں ہیں چپ چپ دل سے کچھ بھی لگا دینا کیسی میں 'انوں' کا دل اٹکا رہتا تھا تو انوں میرے پر ایسا للوٹ ہوتے تھے کیا ـــــ؟"

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ نواب شوکت ایک چھوڑ کئی جانوں سے اپنی دُلہن پر فدا تھے ـــــ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اِدھر اُدھر مونہہ مارنے والے جب گھربار کے ہوئے تو بیوی ہی کے ہو کر رہ گئے ـــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر طرف کے، ہر طرح کے مزے چکھ لینے کے بعد دل بھر سا جاتا ہے اور پھر شادی ہو جانے تو ایک بیوی سے مطمئن ہو جاتے ہیں ـــــ اور بڑے شریف پارسا جو کسی لڑکی کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے ہوں شرافت کے ایسے دعوے دار ہوں؛ وہ شادی کے بعد خوب کھل کھیلتے ہیں ـــــ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت جیسے لذیذ پھل کا ذائقہ پہلے تو کبھی چکھا نہیں ہوتا ـــــ بعد میں یہ افسوس اور پچھتاوا آتا ہو کہ "ارے واہ ایسے مزے سے یونہی محروم ہے ـــــ" اور یوں اِدھر اُدھر تریا چکنا شروع ـــــ

تو نواب شوکت اتنے دنوں کنوارے رہے تھے، یونہی نہیں رہے تھے، ایک ایک کی ٹُنگ تھی، ایک ایک کچا، پکا، اِدھر لپکا اُدھر لپکا، سب چکھا اور جب خوب مزے باغِ زندگی کے لُوٹ لئے تو چلو ماں کو خوش کرنے اور نسل چلانے شادی بھی کر ہی لو ـــــ سوکر لی ـــــ اور اللہ نے نسل چلانے کا انتظام بھی کر ہی دیا ـــــ پہلا ہی بیٹا دیا ـــــ ساس کی نظروں میں بھی بہو قابلِ عزت ٹھہریں کہ سال نہیں گزرا اور دادی بنا دیا ـــــ اور دادی بھی پوتی کی نہیں پوتے کی ـــــ اور شوہر تو بیٹے کے باپ بنا دیے جانے پر دُلہن کے قدموں تلے قالین بن کر بچھ گئے ـــــ

لیکن یہ بھی اللہ کی شان کہ پہلا تو بیٹا دے دیا کہ بہو پاشا کی للّو چپّو ہو جاتے خوب قدر عزت چاہت کی مستحق ہو جائیں، اس کے بعد تو وہ بیٹیوں کی برسات ہوئی کہ بس ـــــ تجربے والیوں نے تو یہ بات پہلے بیٹے کے نام رکھائی کے موقع پر ہی کہہ دی تھی ـــــ جب بہو پاشا گود میں بیٹے کو لے کر بیٹھیں تو بچے کے سرہانے کی طرف بڑی بلیح میٹھی ہوئی تھیں ـــــ دھیرے سے بولیں:

"اُئی چھوٹے نواب کے سر میں تو ایک ہی بھنورا ہے ——" انہوں نے ننھے سے بالوں بھرے سر میں انگلی گھماتے ہوئے دوسرا بھنورا ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا: "ایک بھنورا ہے تو اگلی بیٹی ہوتی ہوگی ——"

دوسری تائی بی تھیں جو ڈوئی سے بولیں: "ہو برابر بات ہے —— ہم زندگی بھر سے دیکھتے آئیں ——"

تیسری چچی بیگم تھیں جو مسکرا کر بولیں: "کتنی مبارک بات ہے نا —— بیٹی آتی تو آنگن میں رسیوں پر رنگین کپڑے سوکھتے ہوئے دکھتے —— گھر میں بہار آجاتی ——"

دُلہن پاشا کے موہنہ پر بھی بہار سی آگئی —— پہلے بیٹے کے بعد بیٹی ہوجائے تو عورت پن کے سارے ارمان پورے ہوجاتے ہیں —— بعد میں خدا جو جی چاہے دیتا رہے —— سو خدا نے یہ چاہا کہ بیٹیاں دیتا رہے ——

دادی ماں نے ارمانوں سے پوتے کا نام سطوت رکھا —— بولیں: "وہ مُنے خود بھی سربلند ہو۔ موزا اللہ کرو باپ دادا کا نام بھی اونچا کرو —— سو سرفراز بھی اچھا نام ہے ہور ساتھ میں سرفراز کے بعد اس کے دادا حضرت کا نام لگا دیو ——" مارے شرم کے انہوں نے سطوت نام نہیں لیا کہ شریف بیبیاں مرتی مرجاتی ہیں —— لیکن اپنی زبان سے کبھی شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں —— لیکن دادی کے کہنے پر نام سرفراز ہی رکھا گیا —— اور شاید یہ سرفرازی اسی ایک دم کے نصیب میں خدا نے دی کہ نسل چلے تو اسی سے چراغ جلے تو اسی سے اور بڑھاپے میں موہنہ میں پانی دیوانے ——

نواب سرفراز پاؤں پاؤں چلے جیسے بھی نہیں ہوتے کہ دُلہن پاشا پھر انگنائیوں اور الیٹوں پر پڑھ گئیں۔ دودھ بڑھانا پڑا۔ ننھے منے سے نواب کی بھوگھٹی میں لڑکیاں ہی گئیں ماں تو ویسے بھی نواب کی بیٹی، نواب کی بہو، نواب بیگم تھیں —— پان کا ڈنٹھل بھی توڑ کر نہ دیا —— بچے تو کیا سنبھالتیں کہ ایک ایک کام پر دس دس خواصیں تھیں —— ہاں دودھ پلانے

بھر کی ضرور رساداتیں ——— لیکن اب جو دودھ چھٹا تو ماں کا ساتھ بھی چھٹا اور بجائے بڑی عورتوں اور خواصوں کے ننھی منی چھوکریوں کی گودوں میں پلنے لگے ——— اس کی گود سے اس کی گود میں ——— اس کی گود سے اُس کی گود میں ———

نواب سرفراز چھوٹے پاشا کے نام سے نانوے گئے ——— ہر چند کہ دادی حضور بولتیں ——— "آگے اُجاڑ مارو آئے وہ سب سے بڑا ہے۔ اس کو بڑے پاشا بولا ———" لیکن کوئی کان نہ دیتا اور وہ چھوٹے پاشا ہی باجے ——— چھوٹے پاشا بھائی بن گئے ——— ننھی سی بہن ماں کی گود میں آئیں اور ماں کی خوشیاں مکمل ہو گئیں ——— چھوٹے پاشا کا لاڈ دلار ابھی بھی کرتیں ——— پہلی اولاد ——— پہلی محبت، اور وہ بھی بیٹا۔ کیسے بھلا دیتیں ——— لیکن ننھی منی گڑیا گود میں آئی تو جیسے ساری توجہ کھینچ لی ——— اور ویسے بھی نیا پیدا ہونے والا بچہ، ماں کو اپنے لئے وقف کرا لیتا ہے۔

محل میں عورتوں اور لڑکیوں کا ہی راج تھا، لڑکے پالے تھے لیکن گنتی کے ——— محل میں زنانے حصے میں مرد نوکروں کا آنا جانا کم ہی کم تھا ——— کام پڑتا تو کچھ دیر کو اندر آتے پھر باہر کے باہر ——— ہاں تو کرائیوں کی دھکم پیل تھی ——— چھوٹے پاشا کے آگے یہاں وہاں چھوکریاں ہی چھوکریاں ——— ننھے سے موہنہ سے پہلے پہل بات کرنی سیکھی تو بالکل چھوکریوں کے انداز میں بچہ ماحول ہی سے تو سیکھتا ہے ——— ان کے کانوں میں آتیوں۔ جاتیوں۔ کھاتیوں۔ مرتیوں۔ آتی۔ جاتی۔ سوتی ایسے ہی الفاظ پڑتے رہتے تھے ——— اور کم بخت ماری چھوکریاں مارے محبت کے خود بھی انہیں بجائے ایک لڑکے کے، لڑکی کی طرح مخاطب کرتی تھیں ——— حشمت گود میں اٹھا کر پوچھتی :

"میرے کلیجے کی ٹکڑی ہے نا گے یہ ——— دودھ پیتی ——— ؟"

دھنتو ادھر سے بولتی : "تو باغ میں گھومنے چلتی ——— ؟"

گلشن لپٹا لپٹا کے پیار کرتی اور پوچھتی : "تو کھانا کھاتی ——— ؟" سُلاتے سے

پہلے خوب محبت کے دورے ان چھپکریوں کو پڑتے ——

"سو جانا وہ تو —— سو جاتی —— ؟ پھر کب اٹھیں گی تو —— چل سو جا —— پھر صبح اٹھیں گی تو اپن کھیلیں گے تو کھیلیں گی نا میرے ساتھ ۔"

ننھے ننھے ہونٹوں اور زبان سے پہلے پہل بول نکلے تو دادی —— ماں —— باپ خوشی سے بے حال ہو گئے —— ہنسی رکتی، رُکتی نہ تھی —— چھوٹے پاشا کو کھانے کا کہا جاتا تو بولے ۔

"نئیں کھاتی میں ——"

"دودھ پی لیو چھوٹے پاشا ——"

تو غصے سے بولتے —— "نئیں پیتی میں ——"

پھر یکے بعد دیگرے بہنیں دنیا میں آنی شروع ہوئیں —— پانچ بہنوں سے آنگن ایسا رنگین ہوا کہ سوائے ہرے، نیلے، پیلے، لال، اودے کپڑوں کے آنچلوں اور دوپٹوں پر کچھ دکھائی ہی نہ دینے لگا —— بہنیں تو تھیں ہی لڑکیوں کی جون میں —— وہ اپنے طور پر بات کرتیں تو بھائی اکڑ اور بھی وہی انداز سیکھتے جاتے ۔

پہلے بیٹے تھے —— پہلوٹھی کی اولاد ویسے بھی نیم چڑھی ہوتی ہے اور یہ تو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے —— کسی بات پہ روکا ٹوکا نہ گیا —— جی بھر کے لاڈ میں سڑائے گئے —— اچھے خاصے بڑے بھی ہو گئے لیکن بات چیت میں وہی زنانہ پن —— کبھی کبھار باپ اُلجھ کر بولتے بھی ——

"بیٹے آپ کیا عورت بچی کے ویسا آتیوں جاتیوں کر لیتے ——" حالانکہ وہ بیٹے کے ہر انداز پر فدا تھے —— تو دادی یا ماں بیچ میں پڑ کر فوراً بات کاٹ دیتیں ۔

"ابھی عمر ہی کیا ہے —— وقت پہ سب باتاں سیکھ لیں گا ——" لیکن وہ وقت کبھی نہ آیا —— مولوی صاحب پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے وہ بول بتا کر ہار

گئے ـــــ یہ مان کر نہ دیتے ـــــ وہ چڑ چڑ جاتے ـــــ

"نواب صاحب آپ بچے ہیں ـــــ مرد بنیے ـــــ آپ عورتوں کے ویسی بات نہ کیا کرو ـــــ" وہاں اتنی عقل اور تمیز ہی باقی نہ رہی تھی کہ عورت اور مرد کا فرق سمجھ سکتے ـــــ ذرا بڑے ہوتے گئے اور مدرسہ "تحتانیہ" میں داخل کئے گئے تو خود کا بھی جھٹ پٹ تھا اور دوسرے بچوں کا بھی ـــــ معاملہ چل گیا ـــــ وہاں سے بڑھ کر "وسطانیہ" میں گئے تو ساتھ کے لڑکوں نے ذرا ہنسی اُڑانی شروع کی، لیکن رعب اور امارت کے زور پر معاملہ دبا گیا ـــــ لیکن اصل مصیبت اس وقت آئی جب سب نچلے درجوں سے نپٹ کر "مدرسہ فوقانیہ" میں داخل کئے گئے ـــــ یہاں ایک دُنیا ہی دوسری تھی ـــــ غریب، امیر بلکہ ذرا اور شرفاء کے لڑکے اسکول میں پڑھتے تھے ـــــ یہاں کون ان کی امارت سے دبنے چلا تھا ـــــ اچھی خاصی عمر ہو گئی تھی، روز روتے ہوئے گھر کو آتے ـــــ ساتھ میں خادم جاتا تھا، کھانے کی چھٹی کے وقت تو وہ لڑکوں کو ڈھیلے، پتھر کھینچ کھینچ کر مارتا رہتا، لیکن کلاس کے اندر لڑکے ستانے سے باز نہ آتے ـــــ مولوی صاحبان، جناب صاحبان (اساتذہ) سوال کرتے ـــــ

"سرفراز ـــــ تم کو کیا معلوم ہے کہ دُنیا گول ہے؟"

یہ بڑی سادگی سے جواب دیتے: "میں آج سبق یاد نہیں کری ـــــ" جناب کے روکنے منع کرنے پر بھی کلاس روم میں ہنسی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ـــــ کلاس ختم ہوتے ہی لڑکے شروع ہو جاتے ـــــ

"اے اے تو کل اسکول آئیں گی کی نئیں ـــــ"

"تو گھر کو شکرام میں جاری کی پیدل جاری ـــــ"

"آج یاد نئیں کری تھی کل سبق یاد کر کے آئیں گی کی نئیں ـــــ"

ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سرفراز نواب گھر کے، محل کے ہی ہو کر رہ گئے بس ـــــ

مدرسے جانا چھوڑ دیا ـــــ محل ہی میں مولوی صاحبان مقرر کر دیئے گئے ـــــ حساب، جغرافیہ، تاریخ، اُردو، انگریزی ـــــ سب کے الگ الگ مولوی صاحبان ـ قرآن شریف پڑھانے والے مولوی صاحب تو خیر محل ہی سے متصل مسجد میں ہمیشہ سے رہتے چلے آتے تھے جو محل کے اور بھی سبھی بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے ـ

نواب شوکت کو پہلے پہل جب پتہ چلا کہ صاحبزادے مدرسہ چھوڑ چھاڑ محل میں ہی پڑھائی حاصل کر رہے ہیں تو وہ بہت بھنّائے ـــ ماں سے اُلجھے ـــــ بیوی پر چڑھے لیکن وہاں کسی نے انہیں کچھ گنا ہی نہیں ـــــ دادی حضور نے تو صاف کہہ دیا:

"اجاڑ ہم کو کون نوکری کرانی ہے بچے کو ـــــ اتنی سر کی جان پر لیسی ہیکپ میرے کو لگو ـــــ مرد بچہ پڑھا سو پڑھا، نہیں پڑھا، سو نہیں پڑھا ـــــ"

دُلہن پاشا بولیں: "باپ سے تو زیادہ اینچ پڑھ گیا ہے ـــــ اب کتا پڑھانا ہور"

شوکت نواب اُن کی بات پر بجائے غصہ ہونے یا بپڑنے کے مُسکرا دیتے ـ

یہ حقیقت بھی تھی کہ سرفراز ان سے زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے ـــــ صرف ایک انداز گفتگو لسوانی تھا ـــــ ویسے اچھے خاصے ہاتھ پاؤں نکالے تھے بیٹے نے ـــــ وہ تو مارے ڈر کے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے بیٹے کو، نگاہ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے ـــــ بڑے سے ہال میں جہاں خاندانی پُرانی پُرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں، ان کی اپنی نوعمری کی جو تصاویر تھیں، عین مین سرفراز انہی کی شبیہ تھے ـــــ وہی قد و قامت ـــــ وہی چہرہ مہرہ ـــــ وہی بال ـــــ وہی ناک کان ـــــ دیکھنے والے بھی کہتے تھے: "بالکل شوکت نواب کا لڑکپن دیکھ لو ـــــ"

مائیں لڑکوں کی ـــــ بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں اور باپ بیٹیوں پر جان دیتے ہیں۔ یہ ساری دُنیا میں ہوتا ہے ـــــ لیکن یہاں حال تو فدا تھیں ہی ـــــ خود نواب شوکت بھی بیٹے کے دیوانے تھے ـ حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیتے

تھے۔ لیکن ان کی ہر ہر سانس میں وہی وہ سمائے ہوئے تھے ——— پہلے پہل تو انہیں بس ایسی ہی محبت تھی جیسے ایک باپ کو اپنی کسی بھی اولاد سے ہونی چاہیئے ——— لیکن پے بعد دیگرے جب بیٹیوں نے گھر ہی دیکھ لیا تو آپی آپ بیٹے سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی — پانچ بیٹیوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ خدا کی طرف سے خود ہی بند ہو گیا اور نواب سرفراز اکلوتے ولی عہد ثابت ہو گئے تو نواب شوکت بس انہیں دیکھ دیکھ کر جینے لگے۔

مارے محبت کے کسی بات پر روک ٹوک نہ کی ——— نہ اچھے پر، نہ بُرے پر ——— ان کے زنانی نسوانی اندازِ گفتگو پر بھی نہیں ——— اسکول چھوڑ دیا اس پر بھی کچھ دل سے خفا نہ ہوئے ——— اندھوا لاڈ ہی اُن کی کسی بات پر غصہ نہیں کرنے دیتا تھا ——— لیکن اب جیسے جیسے سرفراز نواب بڑے ہوتے جا رہے تھے ——— باپ کی بے پناہ محبت میں ایک فکر بھی شامل ہوتی جا رہی تھی ——— پہلے تو انہیں سرفراز کا اندازِ گفتگو ہی نسوانی لگتا تھا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے سبھی انداز نسوانی ہیں ——— بات کرتے میں لڑکیوں کی طرح نیچے دیکھنا ——— کسی بھی بات پر شرما جانا ——— مردانے میں مرد مہمانوں کی موجودگی میں شرمانا جھجکنا ——— اس کے برخلاف چھوکریوں لڑکیوں اور کام کرنے والی خواصوں میں بہت اطمینان اور دل جمعی سے اُٹھنا بیٹھنا ——— مگر بے تکلفی ان سے بھی نہیں ———

"کہیں ——— کہیں ———" وہ ڈر کر سوچتے اور اپنے خیال کو خود ہی جھٹکتے — "کہیں صاحب زادے نام کے تو مرد نہیں ہیں ——— ؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہماری زندگی میں کیا رہ جائے گا ——— نہیں مولیٰ نہیں تو اتنا ظلم نہیں کر سکتا ———"

اور اس دن اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے انہوں نے دوسرے کمرے سے آنے والی آوازوں کو سُنا تو وہ دہل کر رہ گئے ——— غالباً اُلفت اور چنبیلی باتیں کر رہی تھیں ——— اُلفت محل کی سب سے حسین اور طرح دار چھوکری تھی ——— نواب شوکت عمر کے اس دور سے

تو گزر گئے تھے جب نظر ادھر اُدھر بھٹکتی ہے لیکن اُلفت کو دیکھ کر وہ سوچتے تھے کہ وہ دور تو بے شک گزر گیا لیکن اُلفت تو ابھی وہیں کھڑی ہے ـــــ اور وہ کہیں یہ موقعہ نہ آنے دیتے تھے کہ اُلفت کے قریب سے بھی گزر جائیں گے ـــــ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ کبھی بھی آسکتی ہے ـــــ

چنوبی بھی اُلفت ہی کی عُمر کی تھی ـــــ جوان بھی تھی، لیکن بس چنوبی تھیں ـــــ یہ عجیب بات ہے پاکیزہ نفس سے پاکیزہ عورت بھی، کتنے ہی نیک خیالات رکھنے والی عورت بھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں خود نمائی اور مرد کو اپنی طرف مائل کرنے والے جذبے کی غلام اور خواہش مند ضرور ہوتی ہے ـــــ مرد کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے عورت کی کسی ایسی حس کو ضرور تسکین ملتی ہے جو اُسے اپنی ہی نظروں میں مغرور بنا دیتی ہے ـــــ شاید آدم بعد میں پیدا ہوتے ہوتے تو عورت میں یہ جذبہ نہ ہوتا، لیکن جب وہ آدم کی پسلی سے باہر آئی اور خوابیدہ آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا تو دُنیا میں پہلی بار پہلی عورت، حوا کے دل میں خواہش جاگی ہوگی کہ یہ شخص جو مجھے دیکھے۔ حالانکہ اس وقت آئینہ وجود میں نہیں آیا ہوگا کہ حوا اپنا جان لیوا حسن دیکھ بھی سکتی لیکن آدم نے جن گرسنہ نگاہوں سے اسے دیکھا ہوگا، روزِ ازل سے وہ پیاس، دیکھنے کی پیاس، تشنگی مرد کا مقدر بنی اور دیکھے جانے کی پیاس، عورت اپنے آپ کو دکھوانے کی پیاس عورت کی انا بنی ـــــ اور اس وقت وہی عورت، وہی حوا اپنی اُسی انا کے ٹوٹ جانے پر ناگن سی پھن پھیلائے ہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" چنوبی پوچھ رہی تھی "آؤں بڑی بے فکری سے بول رہے۔ میں یہاں پڑھتی بیٹھی ہوں، اب اٹھ کو نہیں جاتی ـــــ تو یہیں کپڑے بدل ڈال ـــــ"

"پھر کیا ہوا ـــــ؟"

"میرے سنگھ پر کیا کڑھ کے دا خال تھے کہ میں چھپ کے بدلتی ـــــ میں ایک ایک

کر کے سارے کپڑے اُتار دی ——— بس مت تمام خور ——— صرف اُوپر کے کپڑے ."
"ا گے میری ماں ——— "چُنّو بی کی سخت وحشت زدہ آواز آئی ۔

"مگر تو یہ بھی تو سن اُنوں بے حد مزے میں پڑھتے رہے ——— ایک دو بار میرے طرف دیکھے بھی ——— ہور مزے کی بات سنی ، مزے سے کیا بولے "تم چھوکریاں چھاتے پے یہ کپڑا کیوں باندھتیں ———" ایسا غصہ آیا ، جی میں آیا فوراً کپڑا اُٹھا کے دکھا دیوں ہور پھر پوچھوں ——— اب بولو ——— آیا سمجھ میں کی کپڑا کیوں باندھتیں ———؟" چُنّو بی کی ہنسی رُکتی آواز آئی ———

"سچی ایک آدھ دن دکھا ہی دے مزہ آ جائیں گا ———" الفت ہنس ہنسا کر بولی "اگے وہ ——— ؟ وہ تو ایسا ہیجڑا ہے ۔ دکھا بھی دیوں تو سمجیں گا ——— کائے کو دکھائی گی؟ اور اس کو جسم کا ایک حصہ ایچ سمجیں گا ———"

وہ دونوں تو قہقہے لگا رہی تھیں اور نواب شوکت کا دل ڈوبا جا رہا تھا ۔

"ہائے نوری مجھ بد نصیب کا ایک ایچ بیٹا ہے ——— خاندان کا نام چلانے والا ——— مرے تو موہنہ میں پانی ڈالنے والا ——— مالک میرے کو یہ رسوائی اور بد نصیبی مت بتانا ——— لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی بہچان کے حکیم ڈاکٹر کو اپنے بچے کو ضرور بتائیں گے ——— پہلے انہوں نے یارِ غار ذاکر خاں سے مشورہ کر لینا بہتر سمجھا ——— ذاکر خاں کوئی تین چار سال سے ہی ان کے دوست چلے آ رہے تھے لیکن ان کی دوستی میں کھوٹ نہیں تھا ایسے وفادار یار تھے کہ وقت پڑنے پر جان بھی بے دریغ نثار کر دیتے ——— نہ نواب شوکت کے پیسے دولت سے غرض تھی نہ اُن کی جاہ و حشمت سے ——— کبھی ہاں میں ہاں تک نہ ملاتے ——— دو ٹوک بات کرتے ، اگر کوئی غلط کام کرتے دیکھتے تو بلا تامل اپنا مشورہ پیش کر دیتے ——— نواب شوکت نے بارہا ان کو آزمایا تھا ، حالانکہ ان کی دوستی ابھی پرانے پن کے زمرے میں بھی نہیں آتی تھی اور کتنی چھوٹی سی بات پر یہ دوستی استوار

ہوئی تھی ـــــ ایک دن نواب شوکت کبھی پہ سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے پٹاخہ چھوڑا اور گھوڑا بدک گیا ـــــ ایسا بے قابو ہوا کہ بگھی اُلٹنے کی نوبت آ گئی ـــــ دوسرا گھوڑا بگھی کو اپنی طرف کھینچے، بدکا سو گھوڑا اپنی طرف کھینچے ـــــ کوچوان حیران ـــــ بگھی کی گتیاں بن گئیں ـــــ نہ آگے بڑھے، نہ پیچھے ہٹے، دونوں گھوڑے اپنی اپنی طبع آزمائی میں مصروف ـــــ اسی اُچھل کود میں کوچوان تو بیر کی طرح پٹ سے نیچے جا گرا اور گھوڑوں نے جب دیکھا کہ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو ایسے بے قابو ہوئے کہ نواب شوکت اب گرے کہ تب گرے ـــــ ایسے میں جانے کہاں سے ذاکر خاں نمودار ہوئے ـــــ چھلانگ مار کر کوچوان کی گدی پر چڑھے اور بے قابو گھوڑوں کو ایسی پھرتی اور مردانگی سے رام کیا کہ کہاں تو بگھی بھاڑ میں پڑے چنے کی طرح پھدک رہی تھی یا ایسی نرمی سے سبج سبج چلنے لگی، مانو کہاروں کے کندھوں پہ سوار دُلہن کی ڈولی چلی جاتی ہے۔

محل پہنچ کر نواب صاحب نے جب تھالی بھر روپے اور پانچ اشرفیاں نذر میں گزاریں تو ذاکر خاں نے وہی تھالی اُٹھا کر نواب صاحب کے سر پر سے واری اور پاس کھڑے خادم کے حوالے کر کے اطمینان سے بولے :

" نواب صاحب کی جان کا صدقہ ـــــ غریبوں میں بانٹ دو۔" نواب صاحب دنگ رہ گئے ـــــ مجھے خاندانی رئیس ہوں گے، پوچھا :

" خیر کرتے کیا ہیں آپ ـــــ ؟"

لاپرواہی سے بولے : " حضور کے ہی غلام ہیں سارے ـــــ میں کیا میری اوقات کیا ـــــ " پھر مسکرا کر کہنے لگے : " ویسے میں بچوں کو پڑھاتا ہوں ـــــ مدرس ہوں ـــــ "

اس کے بعد تو نواب صاحب ذاکر خاں کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہزاروں کے لین دین انہی کے ہاتھوں انجام پانے لگے ـــــ کیا مجال جو انہوں نے ایک دھیلہ بھی

اِدھر سے اُدھر کیا ہو ـــــ نواب صاحب کبھی شکایت کرتے :
"بھئی ذاکر خاں تمہاری بس ایک ایچ عادت بُری ہے ـــــ کبھی ہمیں خوش ہونے کا موقع نہیں دیتے ـــــ" تو وہ ہنس کر بولتے ـــــ
"حضور جب بھی ضرورت پڑے گی آپ ہی کے پاس تو آؤں گا ـــــ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے بڑا جو در ہے نا ـــــ سارے مطالبات وہیں سے پورے ہو جاتے ہیں تو کسی اور در پہ جانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا ـــــ" اور وہ آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر تشکر سے چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیر لیتے ـــــ ہوتے ہوتے دوستی اتنی بڑھی کہ محل کے اور سارے کاموں میں بھی ذاکر خاں ہی ذاکر خاں باجنے لگے ـــــ لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے بھی ہوں گے ہی ـــــ لیکن ہیاؤ ایسا تھا کہ کسی کو مونہہ مارنے کی مجال نہ ہوئی ـــــ گھیر دار شلوار ـــــ اسی کپڑے کی قمیص ـــــ واسکٹ ـــــ اس پر کلغی دار صافہ ـــــ آباؤ اجداد رہے ہوں گے کبھی پشاور میں ـــــ اب تو مدتوں سے حیدرآباد دکن کے ہو کر رہ گئے تھے ـــــ صاف اُردو بولتے تھے ـــــ گورے خوب صورت ایسے تھے کہ نواب شوکت کا سا لباس اگر پہنا کرتے تو دونوں بھائی بھائی بجتے ـــــ لباس پہناوے کا کیا ہے، ملیں نہ ملیں دل ملنا چاہیئے، سو ملا ہوا تھا ـــــ ہر بار کی طرح اس بار بھی ذاکر خاں یاد آئے ـــــ
"آپ کیوں فکر کرتے ہیں حضور ـــــ صاحب زادے کو کسی ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں ـــــ"
نواب صاحب پریشانی سے بولے : "ذاکر خاں بات یہ ہے کی لڑکی ذات کی اگر بدنامی ہو جائے تو بَر نہیں جُڑتا ـــــ مگر مرد ذات کی بدنامی ہو جائے تو لڑکیاں تو بہت مل جاتے ـــــ سر بلندی نہیں ملتی ـــــ اور آپ جانو مرد سر نیچا کر کے جیا تو کیا جیا ـــــ"

وہ تھوڑی دیر پریشانی سے سر جھکائے رہے پھر بولے: "ابھی گھر کی بات گھر میں ہے ـــــ چار لوگوں میں پھیل گئی تو مرد بچہ ہے شرم سے خودکشی نہ کر لے ـــــ"

"وہ خودکشی نہیں کر سکتے ـــــ"

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں ـــــ؟ ندامت اور شرم ایک مرد کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ـــــ"

"اس لئے نہیں کر سکتے کہ ان میں خود ابھی اپنی مردانگی کا احساس ہی نہیں ہے۔ چلیے آپ کے خاندانی حکیم صاحب سے بات پھیل جانے کا خطرہ ہے تو کسی انگریزی پڑھے لکھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب ذرا مطمئن ہو کر بولے: "آپ کی نظر میں کوئی ڈاکٹر ایسا ہے؟"

"ہے ـــــ تبھی تو کہتا ہوں ـــــ"

ڈاکٹر فرحان لندن کے ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے اور ماہر نفسیات بھی ـــــ کمرے میں سر جھکائے سرفراز نواب کو بیٹھا دیکھا تو مونہہ سے کچھ نہ بولے ـــــ بس دیکھتے رہے ـــــ اچانک سرفراز نے ماحول سے بوکھلا کر باپ کی طرف دیکھا اور بولے:

"اب میں اندر جاتیوں ـــــ" نواب شوکت کے چہرے پر بیک وقت ندامت اور غم کی چھاپ ابھر آئی اور انہوں نے بڑی تکلیف سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا جو بڑی خوش خلقی سے سرفراز نواب سے کہہ رہے تھے ـــــ

"بیٹے آپ جا سکتے ہیں ـــــ لیکن آپ مرد ہیں ماشاءاللہ اتنے اونچے پورے

بھی ـــ آپ کو کہنا چاہیے ـــ میں اندر جاتا ہوں ـــ"

سرفراز نے ذرا حیرت سے انہیں دیکھا اور جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے ـــ اُن کی چال کو ڈاکٹر صاحب نے غور سے دیکھا ـــ بالکل مردانہ چال تھی ـــ وہ ذرا مطمئن انداز میں نواب شوکت سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کے کتنے لڑکے ہیں ـــ؟"

"جی ـــ بس یہی ایک ـــ" وہ ذرا دکھ سے بولے۔ "باقی سب لڑکیاں ہوئے ـــ"

"کتنی لڑکیاں ہیں ـــ؟"

"جی پانچ ـــ"

"محل میں اور کون کون ہیں ـــ"

"جی اُمنی حضور ـــ بیگم صاحبہ ہیں ـــ پھر رشتے کے بہناں ـــ سالیاں ـــ چچیاں اور بھی عورتاں ہی عورتاں ـــ"

"صاحبزادے کو بچپن سے اب تک کس نے سنبھالا ـــ؟"

"تین چار لڑکیاں اور آیا ماں نے اور ایک دو خواصاں بھی تھے ـــ"

"صاحبزادے جوں جوں بڑے ہوتے گئے اُن کے دائرۂ احباب میں لڑکے بھی شامل ہوتے گئے ـــ یا لڑکیاں ہی آس پاس رہیں ـــ؟"

"محل میں پردے کی سخت پابندی ہونے سے زنانے میں مرد نوکراں، حتیٰ کی چھوٹے چھوکرے بھی نہیں جا سکتے ـــ مطلب یہ کی لڑکیاں چھوکریاں ہی چھوٹے نواب کو اب تک سنبھالے ـــ"

"اب تک ـــ؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"اب تک سے آپ کی کیا مراد ہے ـــ عمر کیا ہوگی صاحبزادے کی ـــ؟

مجھے تو سترہ اٹھارہ سال سے کسی طور کم نہیں لگتے ـــــ تو کیا اتنی عُمر کے لوگوں کو اب تک سنبھالنا پڑتا ہے ـــــ؟" اُن کے لہجے کی خفگی نواب شوکت سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"جی آپ برابر سوچے ـــــ انوں آتی برساتوں میں پورے اٹھارہ برس کے ہو جائیں گے ـــــ" نواب صاحب سَر جُھکا کر بولے۔

"وہ تو آپ نہ بھی بتاتے تو ظاہر ہے ـــــ باقاعدہ مونچھیں نکل آئی ہیں ـــ کلوں اور جبڑوں پر رُواں پھوٹ چکا ہے ـــــ ماشاءاللہ قد و قامت آپ کے برابر ہوا ہی چاہتا ہے ـــــ وہ کچھ رُک کر پھر دھیرے دھیرے بولنے لگے ـــــ

"یہ دراصل میڈیکل کیس ہے ہی نہیں ـــــ یہ صرف سائیکلوجی کی بات ہے ـــــ آپ سے تھوڑے ہی سوالات کر کے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ـــــ ایک لڑکا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے ـــــ پانچ بیٹیوں کے ہونے سے اور بھی زیادہ لاڈلا بن گیا ہے ـــــ اسے کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی جاتی کیوں کہ اکلوتا ہے ـــــ لاڈلا ہے ـــــ محل میں گوشے پردے کی وجہ سے اُس کا سارا وقت، ہر ہر لمحہ صرف لڑکیوں اور عورتوں میں گزرا ـــــ اُس کی بات چیت تک میں زنانہ چھاپ لگ گئی ـــــ شرم و حیا جو عورتوں کا فطری جوہر ہے، وہ، اسے بھی ماحول نے تحفے میں دیا ـــــ" اچانک وہ رُک گئے ـــــ "معاف کیجئے گا بات کچھ آداب سے گری ہوئی ہے لیکن محض علاج کی خاطر پوچھنا پڑ رہا ہے کہ صاحبزادے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہیں کچھ ـــــ"

نواب صاحب نے رُک رُک کر جھجک جھجک کر الفت اور چنو بی والا واقعہ مہذب انداز میں انہیں کہہ سنایا۔

"That's it ـــــ" ڈاکٹر صاحب صوفے کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے "یہی اصل بات ہے۔ آپ نے بھلے سائیکلوجی نہ پڑھی ہو، عقل سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک لڑکا ہمیشہ ہمیشہ لڑکیوں میں رہتے رہتے غیر محسوس طریقے پر خود کو بھی لڑکی سمجھنے لگا ہے۔ حد

یہ کہ وہ عورت کے اُن پوشیدہ مقامات کو بھی جو مرد میں جنسی تحریک پیدا کرتے ہیں سادگی سے دیکھتا ہے اور بجائے ملتفت ہونے کے وہ اُن کے متعلق اس بے نیازی سے سوال جواب کرتا ہے جیسے وہ پوشیدہ مقامات نہ ہوں ـــــ آنکھ ـــــ ناک ـــــ کان ہوں ـــــ آپ نے سوچا ایسا کیوں ہوا ـــــ ؟ یہ اس لئے ہوا کہ لڑکیوں میں رہ رہ کر وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم سبھی ایک جیسے ہیں۔ وہ سوچتا ہے جب میں لڑکیوں کے سامنے قمیص اُتار سکتا ہوں، تو لڑکیاں میرے سامنے کیوں نہیں اُتار سکتیں۔ اس لئے وہ اُس کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا ـــــ ہمارے گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر خواتین مِل کر ایک ہی ساتھ ایک ہی کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بدلنا شروع کر دیتی ہیں ـــــ معاف کیجئے وہ تھوڑا مُسکرا کر بولے "یہ منظر میں نے نہیں دیکھا ـــــ یہ ضرور دیکھا ہے کہ بڑی میں ساری خواتین ایک ہی کمرے میں جمع ہو کر، تیار ہو ہو کر نکل رہی ہیں ـــــ ویسے ماہرِ نفسیات ہونے کی بنا پر بیوی سے اس بات کی تصدیق ضرور کی ہے اور اُنہوں نے بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا ہے کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــــ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ ؟" اب آپ پھر میرے اسی پوائنٹ پر آیئے اور بیوی کے اس ریمارک کو ذہن میں رکھئے کہ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ "مطلب یہ کہ آپ کے بیٹے نے بچپن سے آنکھ کھولتے ہی ایک مخصوص زنانہ ماحول اپنے اِرد گرد پایا ـــــ ساری ادائیں لڑکیوں والی سیکھیں ـــــ اوروں سے تو شرم روا رکھی، جیسا کہ آپ کی باتوں سے پہلے ظاہر ہوا کہ اسکول میں بہت شرمیلے ثابت ہوئے کہ آخر اسکول چھوڑ دیا ـــــ لیکن عورتوں سے شرم اُسی انداز میں روا رکھی جیسی کہ عورتیں، عورتوں سے شرماتی ہیں ـــــ معاف کیجئے گا یہاں میں لفظ بناوٹ استعمال کروں گا ـــــ صحیح معنوں میں شرم ـــــ ایک عورت صرف مرد سے محسوس کرتی ہے ـــــ عورتوں سے عورتیں صرف دکھاوے کو شرماتی ہیں ـــــ بن بن کر اتراتی ہیں ـــــ آپ

تے بیٹے نے وہی ساری جھوٹی عورتوں والی ادائیں اپنا رکھی ہیں ـــــ اور یہ سب صرف ایک نامناسب ماحول اور بے جا محبت کی دین ہے ـــــ بہرحال" وہ سانس لے کر بولے:

"آپ کو مژدہ ہو کہ آپ کے صاحبزادے مکمل مرد ہیں ـــــ" نواب شوکت نے بڑی دیر سے رکی ہوئی سانس چھوڑ کر ذاکر خاں کو دیکھا ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر سے مخاطب ہوئے ـــــ لیکن آپ کو ـــــ بہت کچھ سہنا ہوگا ـــــ"

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے ڈاکٹر صاحب ـــــ" نواب صاحب گھبرا کر بولے ڈاکٹر صاحب نرمی سے مسکراتے۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے نواب صاحب ـــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اس زنانے پن کے جال سے نکالنے کے لئے صاحبزادے کا علاج کرنا ہوگا ـــــ"

"علاج ـــــ آپ کہیں تو ہم اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیں ـــــ"

"جی نہیں ـــــ اشرفیوں کے ڈھیر ہر جگہ کام نہیں آتے ـــــ انہیں ـــــ میرا مطلب ہے نواب سرفراز کو کسی عورت کے ساتھ رکھنا پڑے گا ـــــ" نواب صاحب نے ڈاکٹر فرحان کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اُن کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو ـــــ ڈاکٹر صاحب ان کی نظروں کا انداز سمجھ کر مسکرا پڑے۔

"آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ ڈاکٹر خود پاگل لگتا ہے دوسروں کا علاج کیا کرے گا ـــــ آپ نے غلط نہیں سوچا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سوچ سکتا تھا کہ ایک لڑکا جو خنث عورتوں کی تربیت، ساتھ اور سنگت کی وجہ اس حال کو پہنچا ہو اس کو پھر کسی عورت ہی کے ساتھ رکھنے کا نسخہ بتایا جاتے ـــــ لیکن نواب صاحب نفسیات چیز ہی یہی ہے ـــــ اب ٹھیریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاؤں ـــــ۔ اب تک جن عورتوں نے نواب سرفراز کو گھیرے رکھا ہے وہ سب اُن کی خوشامد درآمد، آگے پیچھے گھومنے پھرنے میں لگی رہی ہیں ـــــ جیسا انہوں نے کہا اُن لڑکیوں نے مان لیا ـــــ حد یہ کہ چونکہ اکلوتے ہیں

ماں، دادی، پھوپی، خالہ، سبھی نے ہر بات مانی ہوگی ——— اُن چھوکریوں نے تو ہر بات کو حکم سمجھ کر تعمیل کی ہوگی جو خاص ملازمائیں تھیں ——— مجھے بتایئے نواب صاحب کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لڑکی ان سے کسی بات میں روٹھی ہو اور اُسے سرفراز نواب نے خود منایا ہو! مرد کی فطرت میں بھنورا بننا لکھا ہے ——— اکلوتے ہونے نے آپ کے بیٹے ... دیا کیا ——— مرد کی مردانگی اور انا جو کسی عورت کو منائے، پھسلائے، آنسو پونچھے ... خا... ہے۔ وہ صاحبزادے کے وجود میں کہیں سوئی پڑی ہے اُسے کسی ایک ——— صرف ا... ایسی عورت کے حوالے کیجئے جو اُنہیں ٹھوکر سے اُڑاتے ——— جو اُن کا سر اپنے سامنے ... کر فخر محسوس کرے ——— جو پوری پوری آنکھیں کھول کر اُنہیں نہ دیکھے بلکہ انکھیوں سے دیکھ اور اپنی دید کے لئے ترسائے ———" وہ رُکے ——— مسکرائے ——— "کیا آپ جانتے ہی ہیں کہ شرع میں چار شادیاں جائز ہیں ———" ہنس کر بولے "آپ میرا مطلب سمجھے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ صاحبزادے اتنے جوان مرد ہیں کہ ایک عورت ایک بیوی کافی نہیں ہوگی ———" نواب صاحب بھی خوش دلی سے مسکرا دئیے ——— ڈاکٹر فرحان کی قابلیت کے وہ دل سے معترف ہو چکے تھے۔ واقعی نفسیات بھی کیا مضمون ہوگا ———؟ کیا سوچ سوچ کے سوالات کئے اور کیا جوابات دئیے ——— دل خوش ہو گیا اور مطمئن بھی ——— لیکن ایسی عورت کہاں سے ملے ——— محل میں ملنے سے تو رہی ——— اُنہوں نے ذرا تردد سے ذاکر خاں کو دیکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن کی آنکھوں کو پڑھ لیا۔

"بات ذرا بے ہودہ ہے نواب صاحب ——— لیکن آپ کو اس کام کے لئے کسی طوائف کو رکھنا پڑے گا ——— کسی گھریلو عورت یا لڑکی سے آپ اس کام کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ناز و انداز سے ایسے مرد کو زیر کر سکے ——— بلکہ میں نے غلط کہا، ایسے مرد کو اُبھار سکے۔

"حضور، اس بارے میں آپ فکر مند ہوں۔ یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ———"

ڈاکٹر خاں اطمینان سے بولے ۔

" اور ویسے بھی ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر صاحب ذرا رک گئے رک کر بولے " آپ تو نواب ہیں اور نوابوں کے ہاں طوائفوں کا آنا جانا فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اور ضرورت بھی ـــــ " پھر وہ اٹھتے ہوئے بولے ـــــ " آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں ایسے کیس نظر سے گزرتے رہتے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں میں مل جل کر رہتے رہتے اپنے نسوانی انداز کھو بیٹھیں، یا لڑکے لڑکیوں میں رہتے رہتے زنانہ انداز اختیار کر گئے ـــــ لڑکیوں کے لئے تو یہ اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن بعض صورتوں میں لڑکوں کے لئے خاصا (HARM FUL) ہارم فل بن جاتا ہے لیکن صاحب نفسیات نے بھی انسان کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں ایک سائیکاٹرسٹ تو بعض وقت خدا کے سے معجزے بپا کر دیتا ہے ـــــ " نواب صاحب کو کرتے کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھا انہوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

" ارے نواب صاحب ابھی رہنے دیجئے ـــــ پہلے جو میں نے کہا ہے اس کو آزما دیکھئے ـــــ جب تک مریض کو فائدہ نہ ہو جاتے میں فیس نہیں لیتا ـــــ فائدہ ہونے پر ہی بھرپور فیس لیتا ہوں اور اسی لئے اتنا امیر ہوں ـــــ " وہ خوش دلی سے ہنسے ۔

" میں آتا رہوں گا ـــــ اپنے مریض کو صحت مند ہوتا دیکھنا ایک ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ـــــ اور ڈاکٹر صاحب ذرا اس سلسلے میں ثواب حقّ کی مدد کیجئے ـــــ کام گناہ آلود ہے، لیکن کراماً کاتبین اُسے ثواب کے کھاتے میں ڈالیں گے ـــــ "

توبہ ـــــ توبہ ـــــ توبہ ـــــ

ٹیچی بُزاق ـــــ حیدرآباد دکن کا بدنام محلہ ـــــ اُن دنوں بڑا نیک نام ہوتا

تھا ــــ شہر بھر میں ایک طوائف کا چرچا تھا ــــ بڑے بڑے حس کے در پہ ماتھا ٹیکنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے رقص اور آواز کے جادو کے دیوانے تھے ــــ

کمانیوں دار پکے مکانوں کا، سفیدی اور قلعی بھرے ہوئے شہ نشینوں کا جو سلسلہ یہاں سے وہاں تک یہ بھی برّاق میں پھیلا ہوا تھا، وہ بازارِ حسن کا بڑا معروف اور مصروف دربار تھا۔ پھول والوں کی سجی بنی دکانیں ــــ پنواڑیوں کے سجے سجائے پان ــــ سونے۔ چاندی کے ورقوں میں تیار پان بیچنے کی دکانیں ــــ مٹھائی والوں کی دکانیں ــــ درگاہ جانے والی طوائفوں کی آسانی کے لئے عود بتیوں اور نقل دانے بیچنے والوں کی دکانیں، پھر نچلے طبقے کی چلتے گاہک کو روک کر خود مونہہ سے بلانے والی طوائفیں کہ جو گاہک کے ساتھ شب بسری سے قبل اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوری ٹٹولتی ہوں۔ ایسی بھوک کی ماری طوائفوں کے توشے کے طور پر لے جانے والی تیل میں تلی جانے والی جلیبیوں، مرکل، تلی ہوئی بیسن کی کھٹی مرچوں اور بھجیوں کی دکانیں ــــ

یہ بھی برّاق تھا ــــ یہاں کچھ ایسی بھی تھیں جو جسم کا کاروبار کرتی تھیں ــــ ایسی بھی جو صرف ناچ گا کر گاہکوں کا دل بہلاتی تھیں، پھر پچھواڑے کے کمروں میں جا کر شب بسری کا اہتمام بھی کر دیتی تھیں ــــ ایسی بھی جو کسی بھی رئیس نواب کو خوش آمدید بھی کہتی تھیں اور ایسی بھی جو کسی کے بلاوے پر محلوں، کوٹھیوں اور ڈیوڑھیوں پر بھی چلی جاتی تھیں ــــ یہاں پیاسے کنوؤں تک آتے تھے اور کنویں خود بھی چل کر پیاسوں تک پہنچ جاتے تھے ــــ لیکن کونے کا آخری مکان جو اپنی وضع قطع سے ہی کچھ الگ تھلگ سا لگتا تھا اس کی مالکن بھی کچھ ایسی ہی عام خواتین سے الگ تھلگ سی تھی۔

جسم بیچنا اس کے مذہب میں حرام تھا ــــ گانے بجانے کا سلسلہ بھی دل پر موقوف تھا ــــ کبھی تو یہ ہوتا کہ محفل سجی بیٹھی ہے ــــ لوگ منتظر ہیں کہ بی بی اب آئیں کہ تب آئیں ــــ اندر سے سندیسہ آگیا ــــ

"آج ناچنے کو دِل نہیں کرتا ـــــ معافی چاہ رہی ہیں ـــــ"، کبھی محفل میں پُرسوز آواز سے گاتی بیٹھی ہیں کہ ناچنے کا دِل ہوگیا ـــــ طبلے، سارنگی، دف، تاشے، ہارمونیم، ڈھولکیا، ایک ساتھ سارے ساز چیخنے لگے اور ناچ رہی ہیں ـــــ ناچ رہی ہیں ـــــ بے حال ہونے تک ناچیں گی ـــــ

دِل کی غلام تھیں، اسی لئے بڑے بڑے نوابوں، جاگیرداروں کے ہاں سے تیرتے آتے ـــــ توڑے بھر بھر کر اشرفیوں کے لالچ دیئے جاتے، لیکن نہ جاتیں پر نہ جاتیں۔ لوگ آپس میں بولتے ـــــ

"ایسی پاتر (طوائف) تو دیکھے نہ سُنے باوا ـــــ پیسے کے واسطے آیا تو بازار بساتی ـــــ ہو رانی پیسے کو لات ٹھکراتی ـــــ"

نواب شوکت مرحوم گانے بجانے کی محفلوں سے تائب ہو چکے تھے ـــــ تائب ان معنوں میں نہیں کہ ناچ دیکھنا یا گانا سننا یک لخت ختم کر دیا ہو ـــــ اپنے نواب دوستوں کے ہاں کی تقریبوں۔ شادی بیاہ۔ بسم اللہ، ختنے۔ سالگرہوں، عیدوں بقرعیدوں میں جاتے اور طوائفوں کا ناچ گانا ہوتا تو بخوشی نہ صرف یہ کہ دیکھتے بلکہ جیبوں میں جو کچھ بھی ہوتا اور یہ بولے تبائے جیسی بات تو ہے نہیں کہ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، جتنا کچھ بھی ہوتا سارا کا سارا دان کر کے آتے۔ البتہ تائب یوں ہو گئے تھے کہ اپنے محل میں طوائفوں کا بلانا قطعی بند کر دیا تھا ـــــ

اس بند کرنے میں کسی کجروی کو کوئی دخل نہ تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ جوان جوان تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ وہ تو ابھی اتنی بڑی نہیں ہوتی تھیں، لیکن بیٹیوں کے باپ کو ہر حال دنیا میں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے ـــــ بیٹے باپ کا سر بلند کرتے ہیں بیٹیاں سر جھکا کر چلنے پر مجبور کرتی ہیں ـــــ وہ شوکت محل کے کرتا دھرتا تھے، اُن کے

سر پہ کوئی بیٹا بزرگ مرد نہ تھا جو انہیں کسی بھی کام سے روکتا ——— وہ مالک و مختار سبھی کچھ تھے، جو چاہتے کرتے۔ کون منع کر سکتا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر کچھ قیود عائد کر لی تھیں اور اپنی خود ساختہ قید میں وہ بہت مطمئن تھے ——— ایک لحاظ یہ بھی آتا تھا کہ "اچھی خوش و خرم مطمئن زندگی ہے ——— شریف محبت کرنے والی بیگم ہیں ——— بچے ہیں ——— اب خواہ مخواہ نوجوانی کے دنوں کے جیسے چونچلے کرو تو دل بھی خوش نہیں ہوتا اور پورے دنیا بھی نام رکھتی ——— وہ تو شادی سے پہلے، جب ذمہ داریاں نہیں تھیں تو چھوٹے چھاٹ تھے۔ تب بھی امی حضور کو پتہ چل گیا تھا کہ بار بار ایک پارٹیا کے ہاں جاتے ہیں تو کتنا چڑتے تھے ——— آخر کو ابا بولے اتنا سمجھائے کی ہم شادی ہی کر لیتے ——— اب جب اتنی اچھی زندگی ہے کی اس میں کوئی کھٹکا کوئی ڈر نہیں تو کاہے کو لوگاں کو بولنے کا موقع دینا ———"

تو لوگوں کو بولنے کا موقع دینے سے بچنے کی خاطر وہ اپنے محل پہ تو ناچ رنگ ——— کی محفلیں ختم کروا چکے تھے لیکن دوستوں کے ہاں آتے جاتے وہ ذکر سنتے تھے کہ آج کل ایک گانے اور ناچنے والی نے حیدرآباد کو دیوانہ بنا رکھا ہے ——— جسے دیکھو یہی ذکر ———

"کیا ناچتی ہے توبہ ———!"

"کیا گاتی ہے توبہ ———!"

ایک دن نواب شوکت نے ذرا بے کیف ہو کر پوچھا: "آخر کس کے یہ چرچے ہیں ———"

وہ اُس دن نواب جمال الدین کی ڈیوڑھی میں مدعو تھے ——— انہیں ذرا حیرت سے دیکھ کر نواب جمال الدین بولے

"حضت آپ ہوش میں ہیں یا نہیں ——— توبہ بول بول کے ساری خلقت جمع رئی ہور آپ پھر بھی یہی پوچھتے کی کون ہے اُنے ———"

"تو کیا اُس کا نام ایچ توبہ ہے ———؟" شوکت نواب حیرت سے بولے ———

"میں تو اپنی مادری زبان میں بول رہا ہوں آپ نئیں سمجھے تو میرا کیا حضور ـــــ"
نواب جمال الدین ہنسنے لگے ـــــ کیا صورت ہے کی واہ۔ ہور کچھ شنا سا بھی معلوم ہوتی"
"لیکن ہم اِتے جگہوں پر اِتے محفلوں میں گئے کبھی تو یہ کو نئیں دیکھے ـــــ کیا پردہ کرتی اُنے ـــــ؟" نواب شوکت مسکرا کر بولے ـــــ
"پردے گوشے میں رہتی تو اِیچ اچھا رہتا تھا ـــــ اب تو کیا معلوم اُس کا گانا سن کر اُس کا ناچ دیکھ کر گھر آ کو کِتے مرداں اپنے اپنے بیویوں کو طلاق دے دتے ہوئیں گے ایسے ناز و انداز ہیں اس کے ـــــ"
"مگر ہم تو کبھی اُس کو نئیں دیکھے ـــــ"
"آپ اس واسطے نئیں دیکھے کی آپ کبھی اس کے گھر پہ نئیں گئے ـــــ ہور وہ خود تو ایسی اصول والی ہے کی کسی کے گھر چل کر نئیں جاتی ـــــ بولتی ہے: "جس کو میرا گانا سننے کا ہے میرا ناچ دیکھنے کا ہے وہ خود چل کر میرے پاس آتے، میں کیوں جاؤں"
آپ جلو نا کسی دن۔ کیا انداز ہیں۔ کیا ادایاں ہیں ـــ ایک ایک نظر سو سو بجلیاں گراتی ـــــ ہور گاتے میں اس کے ہاتھاں کے، آنکھاں کے، بھوؤں کے، ہونٹاں کے انداز ہور اشارے کیا بولوں ـــــ غالب کا ایک شعر گاتی :

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حضت پہلے تو اُس نے چٹکی سے مَسل کر خود شمع بجھا دی ـــــ ہور اُس میں سے ـــــ بتی میں سے جو دھواں نکلا تو اِدھر خود ایک سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی ـــــ اُداس ـــــ غمگین ـــــ تباہ و برباد ـــــ اور پھر اپنی اُداسی سے تاثر یہ دی کی عشق کا شعلہ ـــــ جو کی اس وقت میں ہُوں ـــــ وہ ایسا سیاہ ہے ـــــ پھر اُس کے کالا دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ جانے کا انداز ـــــ بجھی ہوئی شمع میں سے نکلتا دھواں ـــــ محفل کی وارفتگی ـــــ حاضرین کا سانس رک کر

بیٹھے رہنا ——— اس ایک مخصوص موڑ پہ سازوں کا موخوف ہونا ——— پھر اچانک سازندں کی اونچی لَے اور تال ——— ہورائس کا اک دم سے مسکرا پڑنا ——— کہاں تو غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی کہاں پھول کے ویسا ہنس پڑی ——— عورت ہے کہ بجلی ———" پھر کان میں جُھک کر ہنس کر بولے : " مگر بیکاؤ نہیں ہے ——— بس یہیں ایچ آکر ساری گڑبڑ ہے ——" نواب شوکت نے ذرا اُلجھ کر اُنہیں دیکھا اور بولے :

" میاں ——— اگر ایسی ہی گھریلو بی بی ہے تو پھر ناچتی گاتی ہی کیوں ہے ——— تم ہی سوچا کرو کی بکاؤ نئیں ہے ۔ ہم تو مان کے نئیں دینے والے "۔

آج اچانک نواب شوکت کو وہ باتیں یاد آئیں جو نواب جمال الدین سے ہوئی تھیں ——— جو جو صفات طوائف کی تبائے ہے تھے ——— عین مین اُنہی صفات کی طوائف اُنہیں بیٹے کے لئے درکار تھی ، جو صرف اپنے ناز و انداز سے ایک سوتے ہوتے مَرد کو جگا دے ——— کیوں نہ وہ اسے بُلوا بھیجیں ۔

" ذاکر خاں ——— آپ پتہ اُٹھا کر ذرا سنجی تراخ محلّے کے کونے والے مکان تک جائیں گے ذرا ———"

"جی نہیں ———" ذاکر خاں بے حد اطمینان سے بولے ۔

" جی ——— ؟" نواب صاحب ذرا غصّے سے بولے ———

"جی ہاں ——— آپ نے جس جگہ ، جس محلّے اور جس مکان کا پتہ بتایا ہے میں اُسے جانتا ہوں ——— وہاں تو بہ نامی ایک گانے بجانے والی بی بی رہتی ہیں ، لیکن وہ اپنے اُصولوں کی اتنی پکی ہیں کہ آپ اگر اپنی ساری جائداد بھی اُن کے نام لکھ دیں نا ——— تو بھی وہ یہاں آنے کے لئے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالیں گی ———" اتنا لمبا بیان دے کر ذاکر خاں اطمینان سے خلال کرنے لگے ———

"کیا آپ اُسے پہچانتے ہیں جو اتنے اعتماد اور وثوق سے بول رہیں ——" وہ غصّے سے بولے۔

"جی ہاں —— اُن کا اطمینان بحال تھا —— اب نواب صاحب چونک پڑے۔

"کمال ہے —— آپ جیسا شریف آدمی اور طوائف کو جانے پہچانتے ؟"

"میں شریف ہوں یا نہیں اللہ جانے —— لیکن طوائف کو پہچاننا ضرور ہوں —— اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے ——" نواب صاحب اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔

"فاکر خاں ——!" لیکن فاکر خاں اُن کی طرف دیکھے بغیر کہے گئے: "میں ایک آپ ہی کی طرح کے دوست کے ہمراہ وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا —— گانا سننا، ناچ دیکھنا میرا شیوہ نہیں، میں اُن کے اصرار پر چلا گیا تھا —— جا کر باہر پچھلے صحن میں تسبیح رولنے لگا تھا —— میں نمازی یا نیک یا پرہیزگار نہیں ہوں —— نماز پڑھنا جان پر آتا ہے اس لئے اللہ میاں کو خوش کرنے کے لئے تسبیح ہمیشہ پڑھتا ہوں —— آسان عبادت ہے بیٹھے بیٹھے موتی گراتے رہو۔ اللہ اللہ کرتے رہو —— اللہ میاں نکتہ نواز ہیں، کیا پتہ اسی بہانے بخش دیں —— گاتے گاتے بی بی تھک گئی —— دُنیا والے کتنے ہی بازارو نام سے اُسے پکاریں، میں اُسے بی بی کہتا ہوں، تو کوئی دوسری لڑکیاں ناچنے گانے کو بیٹھ گئیں —— بی بی صحن میں پڑے پلنگ پر لیٹنے آئی تو میں وہیں بیٹھا تسبیح رول رہا تھا —— اُس نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا —— اور تب سے، تبھی سے وہ میری بیٹی تھی —— یا پھر ممکن ہے میری عقل کا پھیر ہو اور وہ سدا سے میری بیٹی رہی ہو ——"

نواب صاحب نے ذرا حیرت سے اُس سر پھرے بوڑھے کو دیکھا۔

"اُس نے مجھ سے پوچھا تھا: "بابا آپ اس ماحول میں تسبیح پڑھنے آئے ہیں ——" میں نے جو بات تھی اُسے بتا دی تھی ——" جن نواب صاحب کے ساتھ میں آیا ہوں۔ آیا نہیں ہوں بھیجا گیا ہوں۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے دوستی کے ناتے مجھے انہیں سنبھالنے کی خاطر

بھیجا ہے۔ کہیں رات کو واپسی میں اندھیرے اُجالے گر نہ پڑیں ——— زیادہ بہک نہ جائیں پھر اُس نے کہا : "بابا میں خود تو کہیں نہیں آتی جاتی ہوں ——— آپ سے مِلنے کو جی چاہے تو کہاں مِلوں ——— کیوں کہ آپ سے بار بار مِلنے کو جی چاہے گا ——— یہ دِل سے آواز آتی ہے ———" اور جب میں نے پوچھا تھا کہ وہ خود کہیں کیوں نہیں جاتی تو اُس نے چند باتیں بتائی تھیں ——— اپنی مجبوریاں ——— اور چونکہ میں اُسے بیٹی کہہ چکا تھا اس لئے اُس کی مجبوریوں سے مجبور ہو کر میں نے خود اس کے ہاں جانا شروع کر دیا ——— ہفتے میں ایک بار۔ اور یہ سلسلہ مُدت سے جاری ہے ——— اور اسی لئے یہ بات کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کیوں کہ اسے جانتا ہوں پہچانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گی ———"

"آپ عورتوں کی اس ذات ——— یا ترفات کو نہیں سمجھتے ذاکر خاں ——— آپ توڑا بھر اشرفیاں لے جائیے ——— کمبخت چلی نہ آئے تو ہمارا نام پلٹ دیجئے گا ———"

"ہو سکتا ہے کہ اُس کے گھر تک، اُس تک پہنچوں ہی نہیں، یونہی آکر کہہ دوں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے جا کر آؤں بھی لیکن آپ کو یقین نہ آئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خود ہی چلے جائیں ——— ؟"

نواب صاحب سختی سے بولے : "نہیں ذاکر خاں، یہ نہیں ہو سکتا ——— ہم اب عُمر کے اُس دَور میں ہیں کہ ہمارا ایک بھی غلط قدم پُورے خاندان کو تباہ کر سکتا ——— گزارے رہے سو وخت کی بات ہو رہتی ——— اب کِسی پاتر کے گھر یہ جانا ——— ؟ کبھی نہیں . . . لاحول ولا ———"

اپنے طور پر نواب شوکت نے خود بھی ایک کام کیا ——— محل کی تمام لڑکیوں عورتوں سے کہہ دیا کہ وہ صیغۂ مذکر میں بات کریں۔ دُلہن پاشا نے سُنا تو ناک پر اُنگلی رکھ کر بولیں :

"ودی یہ موئی کیا بات ہوئی جی ———"

"آپ کے سمجھ میں نہیں آئے گی ـــــ بس اتنا ہم بولتے ہیں کی اب سب لوگاں لڑکوں مردوں کے ویسی بات کرنا ـــــ"

"مگر آخر کیوں ـــــ؟"

وہ جز بز ہو کر بولے: "ارے باوا، جان جوان لڑکا محض ماحول کی وجہ سے مخنل لڑکیوں کے جیسی بات کر رہا ہے ـــــ اب اُس کے آس پاس سب لڑکیاں، لڑکوں کے جیسی بات کریں گے تو وہ بھی وہی طریقہ اختیار کریں گا ـــــ"

دوسری صبح بڑی بیٹی حسب معمول اسکول جاتے وقت اپنی ماں اور دادی کو سلام، خدا حافظ کہہ کر بولیں: "اچھا امّی ـــــ دادی ماں خدا حافظ ـــــ اب میں چلتیوں"

تو نواب صاحب تیزی سے بولے ـــــ

"برکت بیٹے ـــــ اب میں چلتاؤں بولو ـــــ رات کو آپ کے امّی سکھائے تھے نا ـــــ"

"جی ہو بابا ـــــ میں بھول گئی ـــــ ارے ـــــ بھول گیا تھا ـــــ"

دن بھر میں کئی بار ہنسی مذاق میں سب لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹوکتیں ـــــ

"دیکھ تو نے پھر جارئی بولی ـــــ"

"اچھا باوا اجاریا ـــــ بس ـــــ"

"دیکھ تو نے پھر کام کرتی بول دی ـــــ"

"ارے اَب سے کام کرتا بولوں گی ـــــ"

"ہائیں بولوں گی ـــــ؟"

"اچھا اچھا بولوں گا ـــــ بس ـــــ؟"

نواب سرفراز حیرت سے سب کو اس طرح باتیں کرتا سُنتے ـــــ اُنہیں سخت اٹ پٹا لگتا کہ سب نے اچانک اس طرح اپنی بولی کیوں بدل دی ہے ـــــ حد یہ کہ اگر وہ خود بھی

مجبور نہ ہونے پر کہتے : ــــ" مَیں کھانا نہیں کھاؤں گی ــــ" تو کوئی نہ کوئی خادمہ انہیں ٹوکتی ــــ

" چھوٹے نواب کھانا نئیں کھاؤں گی مَت بولئے ــــ کھانا نئیں کھاؤں گا بولئے ــــ" لیکن اُن کی زبان پر تو یہی بولی چڑھی نہیں رہی تھی ــــ مزے کی بات یہ ہوئی کہ ادھر بیٹیوں برکت ، بہجت ، مسرت نے اسکول سے آکر ہنس ہنس کر ماں کو ستانا شروع کیا ۔

" اتی پہلے پہلے تو لڑکیاں خود ہمارا مذاق بنانے کی یہ کیا لڑکوں کے جیسا بات کرتیں جی ــــ مگر اب تو ہو بہو سمجھی لگاں ہمارے ویسا لڑکوں کی طرح باتاں کرتے ریئں " اتی ناک پہ انگلی رکھ کر بولیں ، " تمہارے باوا حضور کے تو نرالے باتاں ہیں ماں ــــ"

ذاکر خاں اشرفیاں لے کر گئے بھی اور واپس بھی آگئے ــــ

" حضور میں آدمی کی پہچان رکھتا ہوں ــــ وہ نہیں مانیں ــــ"

" تھیلی بھر اشرفیاں واپس کر دی اُنے ــــ ؟ " نواب شوکت کا حیرت سے مُونہہ کھلا رہ گیا ــــ

" میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا تھا ــــ"

" پھر اب ہم کیا کرنا ــــ" وہ پریشانی سے بولے ۔

" اب آپ بس یہ کیجئے کہ صاحب زادے کو خود وہاں بھجوا دیجئے ــــ" وہ رسان سے بولے ــــ

" دماغ خراب ہے آپ کا ــــ" شوکت نواب چیخے " ایک پاتر کے گھر ایک نواب زادہ پہنچ جاتے ــــ"

" علاج حضور علاج ــــ" ذاکر خاں سمجھانے کے انداز میں نرمی سے بولے ــــ

"اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی ـــــ وہ بی بی یہاں آنے پر راضی نہیں۔ آپ صاحبزادے کو وہاں بھجوانے پر راضی نہیں ـــــ آخر بات کیسے بنے گی ـــــ؟"

"کیا شہر کے سب پاتراں مر گئیں ـــــ کیا اُسی میں سُرخاب کے پراں لگے وے ہیں ـــــ؟" نواب صاحب اُلجھ کر بولے ـــــ "آپ کسی اور کو ڈھونڈھئے ـــــ"

"میں تو ہزار ڈھونڈھ لوں ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس قابل اُستاد کے بارے میں فرمایا ہے وہ ساری خصوصیات تو اُنہی بی بی میں ہیں بس ـــــ آپ تو کبھی گئے نہیں نا ـــــ ایک خلقت اُمڈی پڑتی ہے ـــــ کوئی تو بات ہوگی نا ـــــ" نواب صاحب بڑی دیر تک خاموش رہے پھر پوچھا ـــــ

"محل میں بیگم پوچھیں گی بچے کو کہاں بھجوا دئے تو ـــــ؟"

"آپ کہہ دیں پہاڑ پہ بھجوا دیا ہے ـــــ"

"اچھی خاصی تو صحت ہے۔ پہاڑ پہ کاٹے کو ـــــ یہ تو کوئی معقول بہانہ نہیں ہوا ـــــ"

"تو یوں کہہ دیجئے کہ ماشاءاللہ صاحب زادے اب جوان ہوتے ـــــ کام کاج سنبھالنا تو انہی کو ہے ـــــ زمینات اور موضعے کی دیکھ بھال اور جائزے کے لئے کچھ دنوں کے لئے گاؤں بھجوا رہے ہیں ـــــ اس پر تو بیگم صاحبہ معترض نہ ہوں گی ـــــ آخر مرد ہی کام سنبھالا کرتے ہیں ـــــ!"

تھوڑی دیر سوچ کر نواب صاحب بولے: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کی روز جائیں اور شام کو یا رات پڑے واپس آ جائیں ـــــ؟"

"اس میں خرابی یہ ہو گی کہ جس ماحول کی یکسانیت انہیں درکار ہے وہ باقی نہیں رہے گی ـــــ رات کو یہاں آ جانے سے پھر وہی محل ہوگا، وہی لڑکیاں، وہی ماحول۔ چند روز متواتر وہاں رہ جائیں گے تو ایک نئی دُنیا سے روشناس ہو جائیں گے۔ آخر تو پھر اُسی

محل میں واپس آنا ہی ہے نا ۔۔۔؟"

" کہتے تو آپ ٹھیک ہیں ۔۔۔ " اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا؛
" اولاد کی محبت میں انسان کیسا کیسا خوار ہوتا ہے ۔۔۔ ابھی مولیٰ جانے قسمت اور کیا دکھاتی ہے ۔۔۔!"

محفل اپنے عروج پر تھی ۔۔۔ سجے ہوئے بڑے کمرے کے ایک طرف مسند بچھی ہوئی تھی ۔۔۔ زرکار منقش ۔۔۔ صرف وہ حصہ جہاں بیٹھا کرتے ہیں مخملیں تھی، باقی سب طرف، حاشیوں میں وسط میں کارچوب کا کام کیا ہوا تھا ۔۔۔ گاؤ تکیوں میں پیٹھ سے مس ہونے والا حصہ چھوڑ کر سلما ستارے کا جگمگاتا کام کیا ہوا تھا ۔۔۔ اُس مسند پر کارچوب اور سلما ستارے سے بھی زیادہ جگمگاتی ہوئی ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی گا رہی تھی:

باغ میں گُل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
اُنگلیاں سرو اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اٹھاتے احسان
اِس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ذاکر خاں کے ہمراہ جب نواب سرفراز اس محفل میں قدم رنجہ ہوئے تو وہ اس شعر پہ تھی ۔

دیرتک صد کو گئی اے دلِ مشتاق جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نواب سرفراز اپنے باپ پر ہی پڑے تھے ۔۔۔ اداؤں میں نسوانیت کا اندازہ تھا تو کیا ہُوا، تھے تو مرد ۔۔۔ بھر پُر کھلائی پلائی ۔۔۔ اٹھارہ سال کے تھے، لیکن اپنی عمر سے دُگنے لگتے تھے ۔۔۔ اُونچا پُورا قد ۔۔۔ بنی ہوئی تیارہ کاٹھی ۔۔۔ مضبوط ہاتھ

پاؤں ـــــ سُرخ و سفید رنگ ۔ گھنے گھنے ہلکی لچک لئے ہوئے سیاہ بال ـــــ کالے شملے کے کبھی زیب تھے ـــــ جب تک بات نہ کرتے محفل میں موجود لوگوں کی نظراُن پر سے نہ ہٹتی ـــــ بس بات کرتے ہی سارا سحر ٹوٹ جاتا ـــــ

اور اُس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ ہی داخل ہوتے تھے ـــــ اور کِس انداز سے ـــــ چمکتا ہُوا اطلس کا سفید پاجامہ ـــــ ریشمی کپڑے کا کلی دار کُرتا، پٹیوں میں ہیرے کے بٹن جگر مگر کرتے ہوئے ـــــ اُنگلیوں میں بھاری نگوں کی دو انگوٹھیاں ـــــ مونہہ پہ ہلکا ہلکا پسینہ جو انہیں اور بھی جاذبِ نظر بنائے دیتا تھا ۔ ایک ہاتھ میں سفید جیبگ جیسا رومال سلیقے سے پکڑے ہوتے تھے ـــــ اُن کی وجیہہ شخصیت کا سب سے دلکش پہلو اُن کے بال اُس وقت جمے ہوتے تو یہ حسن اور بانکپن پیدا نہ ہوتا ـــــ ایک دو چھلے ماتھے پہ آگرے تھے، جنہیں اُنہوں نے مارے گھبراہٹ کے پیچھے کرنے کی بجائے یونہی چھوڑ دیا تھا ـــــ

گانے والی نے اُنہیں کن انکھیوں سے آتا دیکھا، حاضرینِ محفل نے پوری پوری آنکھوں سے دیکھا اور شعر کے بول مزا دے گئے ـــــ اُن کے داخل ہوتے ہی مغنیہ نے دوبارہ جان کر وہی شعر پڑھا ؎

دیر ُقت صد کو لگی اے دِلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بُلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کسی نے آوازہ کسا :

"اجی حضت اُنول خود ہی آگئے ـــــ" اور سب نے بیک وقت نواب سرفراز کی طرف دیکھا جو جھینپے جھینپے گدیلوں پہ بچھی چاندنیوں میں سے ایک کے کونے پر ذرا اُدھر سے ٹِک گئے تھے ـــــ

سازوں کے شور میں ایک قہقہہ بُلند ہوا ۔ مغنیہ کے گانے میں کوئی خلل نہ پڑا ـــ

وہ اپنی رس بھری آواز سے گاتی ہی رہی ——

ساتھ دشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی
خاک میں ہم کو ملاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لوگوں کی آدھی توجہ گانے سے ہٹ کر نواب سرفراز کی طرف ہو گئی تھی —— نئے نئے دولہوں کی طرح اُن کا محفل میں شرمائے شرمائے انداز سے بیٹھنا سبھی کو متوجہ کئے لے رہا تھا —— وہ کبھی کبھار ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر حاضرین کو دیکھتے، پھر گانے والی کو دیکھ کر فوراً نظر جھکا لیتے —— ایک بار اُنہوں نے ایسے ہی اچٹتی ہوئی نظر سے مغنیہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر گانے لگی ——

کون آتا ہے بُرے وقت کسی کے پاس اے داغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اس کے بعد اور غزلوں کی فرمائشیں ہوئیں —— وہ گاتی رہی، سُننے والوں کا دل لبھاتی رہی —— سرفراز نواب شرماشرمی بیٹھے سُنتے رہے —— وہ ان کی جھجک کو مسکرا مسکرا کر دیکھتی اور مزے لیتی رہی ——

رات گئے جب محفل برخاست ہوئی، ساز بڑھا دئے گئے —— مرجھائے پھولوں کی پتیوں اور تھالیوں میں پڑے سوکھتے پانوں کو سمیٹ کر چاندنیاں جھٹک دی گئیں۔ تو بھی نواب سرفراز اُسی چاندنی پر، اُسی کونے میں، اُسی انداز سے ٹکے بیٹھے رہے —— سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے —— مغنیہ نے ہنس کر اُن کی طرف دیکھا —— اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آئی ذرا دوری پر ہی رُک کر مسکرائی ——

"کہئے قبلہ —— اب کیا ارادے ہیں ——" نواب سرفراز اسکول میں داخل ہونے والے پہلے دن کے بچے کی طرح کسمسا کر رہ گئے ——

"آپ نے ——" وہ رُک رُک کر اٹھلا اٹھلا کر بولی، "کوئی جواب نہیں دیا حضور!"

اب کی بار انہوں نے سر اُٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا ــــــ مجھ سے کہلایا گیا ہے کہ آپ کی شرم و حیا دُور کروں ــــــ کیسے کروں گی ــــــ" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی : "سخت مُشکل ہے" نواب سرفراز یونہی بیٹھے رہے ــــــ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تک نہ آئی ــــــ گھبراہٹ البتہ ہو گیا تھی ــــــ

"مونہہ میں موتی ہیں کیا ــــــ؟ اچھا بات کرنے سے گر جائیں گے ــــــ! اسی لئے مونہہ نہیں کھول رہے ہیں نا آپ ــــــ!!" وہ ہنسی ــــــ"اچھا ــــــ وعدہ رہا ــــــ سارے موتی سمیٹ کر آپ ہی کو دے دوں گی ــــــ چور نہیں ہوں ــــــ" ساری باتوں کے جواب میں نواب سرفراز نے اتنا کہا :

"نیند آرہی ہے میں سوتی ــــــ" وہ ہنس کر بڑے لاڈ سے بولی : "تو سوتی تو میں کب جاگتی ــــــ میں بھی سو جاؤں گی ــــــ" نواب سرفراز نے اُس کے اس انداز پر چونک کر اُسے دیکھا تو وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی ۔

"مرد ہیں تو مردوں کی طرح بات کیجئے نا ــــــ یا پھر کنگن پہن لیجئے ــــــ لیکن آپ کے ہاتھ تو مردوں ہی کی طرح مضبوط اور بڑے بڑے ہیں، میرے کنگن چھوٹے پڑ جائیں گے ــــــ خیر سُنار سے کہہ کر بڑے بنوالوں گی ــــــ" نواب سرفراز کو اس کے طعنے بھرے انداز گفتگو سے عجیب کوفت ہوئی ــــــ محل میں تو بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی اور تیزی سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی ــــــ ذرا غصّے سے بولے :

"کیا میں چوڑیاں پہنوں گی ــــــ؟"

"انداز تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ چوڑیاں بھی پہنیں گے، دوپٹہ بھی اوڑھیں گے، مہندی بھی رچائیں گے اور ــــــ" وہ ہنسی ــــــ "سنگھار بھی کریں گے ــــــ"

"ذاکر چچا پورے کتنے گاؤں لے جارہیں ــــــ امی حضور سے مجبوٹ بولے اُنوں ــــــ میرے کو کال لا کے پٹخ دیئے ــــــ" اُن کے لہجے میں غصّہ بھرا ہوا تھا ــــــ

"بہت بُری جگہ ہے کیا یہ ——" وہ ناک چڑھا کر بولی —— انہوں نے سَر اُٹھا کر پہلی بار کھُلی اور پُوری آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھا —— خوبصورت چہرے پر جڑی ہوئی تیکھی سی ناک، جس میں ایک ننھی سی کیل جھلملا رہی تھی اور اُس نے اُس وقت ناک سکوڑی ہوئی تھی اور مُنہ بنا ہوا بھی تھا ——

"نہیں تو کیا اچھی ہے ——" وہ اُس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولے:

"پلنگ بے نا مسہری —— آپ نے کیا سمجھا تھا ایسے ہی کسی سرائے میں چلے آئے ہیں؟ آئیے میرے ساتھ —— اُٹھئے، آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں ——" وہ تحکم سے بولی۔

وہ اُٹھے —— کس قدر بلند و بالا شخصیت ہے! اُس نے سوچا —— وہ اُن کے سامنے کتنی چھوٹی سی لگ رہی تھی —— اُن کی شخصیت کے سامنے دب کر رہ گئی تھی —— کوئی نہیں کہہ سکتا مَیں اُن سے بڑی ہوں —— اُس نے اپنے آپ میں سوچا —— وہ اپنے سفید سفید پیر سلیم شاہی جوتیوں میں پرو چکے تھے —— آگے پیچھے چلتے چلتے وہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچ گئے —— وہ کمرے کی نفاست اور سجاوٹ کو مُونہہ اُونچا کر کے دیکھا کئے —— بولے کچھ نہیں —— آنکھوں نے البتہ پسندیدگی کی چغلی کھا دی۔

"ہم تو بس ایسے ہی ہیں فقیر لوگ —— آپ نواب صاحبان! اللہ ہی جانے کیسے قیام کر سکیں گے ——" وہ انہیں جلانے کو بولی اور مونہہ پھیر کر مسکرانے لگی —— انہوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی —— پھر وہ پلٹی اور انہیں سمجھانے لگی۔

"دیکھئے آپ کا سارا سامان وہ ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہے —— کپڑے الماری میں لگا دِئے گئے ہیں —— جوتوں کا غالباً آپ کو بہت شوق ہے۔ ڈھیر سارے آئے ہیں تھوڑے بہت اس خانے میں —— سنگھار میز کے نچلے والے خانے میں رکھ دئے ہیں۔ باقی چھوٹے کمرے میں —— آپ تو دیر سے آئے۔ بگھی بھر سامان شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔ مَیں نے سینت سجا کر رکھ دیا تھا —— تولئے کھونٹی پر بھی ہیں اور ساتھ والے حمّام میں بھی ——

ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی ـــــ صرف میں نہیں ملوں گی، اس لئے کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے ـــــ"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ" وہ اپنا محرو مچھیوں والا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بولے ـــــ "ایسی بات نہیں ـــــ آپ تو ـــــ آپ تو ـــــ"

"آپ تو ـــــ کیا ـــــ بات پوری کیجئے نا ـــــ" وہ شریر سی ڈھٹائی سے بولی :

"سُنوں تو سہی کریں کیا ہوں ! مگر وہ جھجک کے مارے اپنی بات پوری نہ کر سکے ـــــ کمرے میں بہار سی "! اسے نرم گُدگدا قالین بچھا ہوا تھا ـــــ قالین ہی پر ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا منقش صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا ـــــ کونے میں ایک طرف دیوار گیر الماری تھی ـــــ دیوار سے لگ کر بیچ میں بڑا سا چھپر کھٹ جس پر چھت گیری ہوتی تھی ـ

انہوں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے صوفہ پر بیٹھ گئے ـ

"آپ بھی بیٹھئے نا ـــــ" وہ بہت نرمی سے بولے ـ

"خدا کا شکر ہے اتنے اخلاق مند تو ہیں ـــــ" وہ بھی دوسرے صوفے پر ٹک گئی ـــــ "آپ کے لئے چائے کھانے کا بندوبست کروں ـــــ"

وہ جلدی سے بچّوں کی سی بے تابی سے بولے : "کھانا تو میں کھا کر آگیا تھا..."

ایک، دم اُس کی ہنستی ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر جیسے ان کی زبان کو روک لگ گئی ـ محل میں پچھلے تین چار دنوں سے مُسلسل ایک دوسرے کی خبر لی جارہی تھی، انہیں بھی اُکسایا جارہا تھا کہ زبان بدلیں. لیکن اُن پہ کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ـــــ اس وقت وہ خود ہی رُک گئے ـــــ پھر تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ

"میں کھانا کھا کر آگیا تھا ـــــ"

"دیکھئے ـــــ" وہ تعریف بھرے لہجے میں بولی ـــ "صرف ایک جملے نے آپ کی شخصیت کو کتنا بدل دیا ـــــ آخر آپ ایسی بات کرتے ہی کیوں ہیں ـــــ"

وہ شکایتی انداز سے بولے: "ابھی ابھی تو ایسی بات کرتے ہیں کہ ن تو کیا ہوا" ایک دم اُنہوں نے رومال والا ہاتھ مُونہہ پر رکھ لیا ـــــ "میں کرتا تو کیا ہوا ـــــ" پھر: خود ہی ہنس پڑے ـــــ

"آپ کو نیند آ رہی ہو گی ـــــ" وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

"اب میں چلوں ـــــ بڑے فانوس کا بٹن یہ بیچ والا ہے ـــــ رات کی بکی بتی کے لئے یہ والا بٹن دبایئے گا ـــــ آپ ـــــ؟" اُس نے بڑی ادا سے جھک کر آں کہا۔

تو اب سر فراز بے چینی سے بولے: ـــــ "آپ کو نیند آ رہی ہو گی تو دو لیا لیجئے میرے کو تو نہیں آ رہی ـــــ" وہ سمجھ گئی کہ وہ اُسے روکنا چاہ رہے ہیں لیکن شرم اور جھجک اجازت نہیں دیتی ـــــ مسکرا کر بولی۔

"میں تو رات رات بھر بھی جاگوں تو نیند نہیں ستاتی ـــــ"

"تو پھر بیٹھئے نا ـــــ" بالآخر وہ بول ہی گئے ـــــ

"آپ کی نیند خراب ہو گی ـــــ"

"میرے کو نیند نہیں آ رہی ـــــ"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ نیند آ رہی ہے میں سوتی ـــــ" اُس کے ہنسنے پر وہ شرمندہ سے ہو گئے ـــــ بولے:

"اصل میں زندگی میں پہلی بار امی حضور سے الگ ہوئی ـــــ ہوا نا" انہوں نے جلدی سے خود ہی اپنی غلطی درست کر لی ـــــ

وہ چیخ کر کے بولی: ـــــ "بھئی یہ تو بہت ہی بُرا ہوا کہ اتنے ننھے منے سے بابا کو امی سے الگ کر دیا گیا ـــــ دودھ کی بوتل کا انتظام کروں؟"

وہ معصومیت سے بولے: "آپ تو ہم سے مذاق کر رہے ہیں ـــــ"

وہ اپنے کنگنوں سے کھیلتی ہوئی بولی : مذاق نہ کروں تو اور کیا کروں —— آپ دیکھنے میں تو اچھے خاصے مرد ہیں اور باتیں ایسی کرتے ہیں ——"

"اب سے نہیں کروں گی —— نہیں کروں گا ——" ایک ساتھ دونوں ہنسنے لگے ——

"اچھا جناب آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ——" وہ ہنستے ہنستے بولی ——

"نواب سرفراز سطوت ——" وہ ذرا اکڑ کر بولے۔

"شاباش ——" وہ زور سے ہنس کر بولی —— اچھے بچے اپنے نام کے آگے نواب ضرور لگایا کرتے ہیں ——"

وہ حیرت سے بولے : "ایسا نہیں بولا کیا ——"

"نہیں بولیں گے تو کیا آپ نواب نہیں رہیں گے ——؟" وہ پھر نرمی سے بولی۔ "اگر زندگی بھر آپ کو بھی احساس رہا کہ آپ نواب ہیں تو دانستہ، نادانستہ آپ سے کئی دل ٹوٹیں گے ——" اچانک اس کا لہجہ دکھ سے بھر گیا ——

وہ کچھ نہ سمجھے ——" اب سے نہیں بولوں گی —— نہیں بولوں گا ——" اس بار وہ نہ مسکرائی نہ ہنسی —— تھوڑی دیر یونہی خاموش رہی —— پھر نواب سرفراز ہی بولے ——

"آپ تو اپنا نام بتاتے ہی نہیں ——"

"توبہ ——" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"آپ کس بات پر توبہ کر رہی ——" وہ حیرت سے بولے تو وہ ذرا تکلیف سے مسکرائی ——

"میرا نام ہی توبہ ہے ——"

"یہ ایسا کیسا نام ہے ——" "دادی ماں تو بولتی کہ گناہ بہوت کرے تو توبہ کرتے۔

نام تو توبہ نہیں ہونا چاہیئے نا ــــــ"

" لوگ گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں ــــــ میں تو سراپا گناہ ہوں ــــــ کتنی توبہ کرتی اس لئے اپنا نام ہی توبہ رکھ لیا ــــــ" وہ دُگنی حیرت سے بولے ۔

" آپ کا نام آپ خود ایسے رکھ لئے ــــــ ماں باپ نہیں رکھے ــــــ"

" ہماری دُنیا میں ہم خود ہی اپنے نام رکھ لیتے ہیں ــــــ"

" آپ کی دُنیا کون سی ہے ــــــ" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولے ۔

" مَیں ایک طوائف ہوں ــــــ پاتر ــــــ"

اٹھارہ سال کا ایک جوان مَرد ــــــ مجھے اُس کے انداز نسوانی ہوں ــــــ لیکن جو پڑھا لکھا بھی ہو ــــــ بچپن سے خاندان بھر میں ناچ رنگ کی محفلیں بھی دیکھ چکا ہو، ایک نوابی ماحول کا مَرد ہو ــــــ وہ اس نام سے چونک تو نہیں سکتا ــــــ وہ تھوڑی دیر اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بڑی سچائی سے بولے ؛

" مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگتا ــــــ"

" چہرہ ــــــ کتاب نہیں ہوتا ــــــ پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے ــــــ آپ نے چہرے کی کتاب تو پڑھ لی لیکن ماتھے کی وہ تحریر نہیں پڑھی جو میرا مُقدر ہے ــــــ" نواب سَرفراز اُلّو دوں کی طرح اُس کا مونہہ دیکھتے رہے ــــــ !

اُس کے چلے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک انہیں نیند نہیں آئی ــــــ لیکن انہیں سخت حیرت یوں تھی کہ یہ بے خوابی ماں، باپ، دادی یا بہنوں سے بچھڑنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ جوائی سے صرف ایک دیا سا آڑے تھی اسی کے بچھڑنے یا چلے جانے کی وجہ سے تھی ــــــ

صبح نئے انداز سے جلوہ گر ہوئی ــــــ محل میں جب وہ صبح ہی صبح ــــــ اور ان کی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی ۔ اُٹھتے تھے تو چو طرف سے چھوکریاں انہیں

گھیر لیتی تھیں ——

"ایو چھوٹے نواب اب اُٹھئے نا ——"

"اللہ پاشا پانی ٹھنڈا ہو کو جاتا ——"

"چھوٹے نواب پراٹھے اُجاڑ لکڑی کے ٹکڑے ہو جائیں گے ——"

"چھوٹے پاشا —— آپ آج چیلا کھانے کی تباشہ کی اُبلا ہوا انڈہ ——"

ادھر سے ایک پاؤں دباتی —— دوسری سر میں مالش شروع کر دیتی —— کوئی اُنگلیاں چٹخاتی اور یہ مزے مزے میں کروٹوں پہ کروٹیں لیتے جاتے —— بیچ بیچ میں چھوکریوں کی گردان جاری رہتی ——

"ایو سرکار اب کب تک پڑے رہتے ——"

"اُٹھتی نا ابھی ——" وہ سستی نکالتے —— ہاتھ پاؤں تناتے۔

یہاں ابھی ملگجا ملگجا اُجالا اور ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہی تھا کہ کسی نے مترنم آواز سے تلاوت کرنی شروع کر دی —— اُنہوں نے پڑے پڑے سوچا کہ وہ کہاں ہیں —— پھر رات کا اپنا آنا یاد آ گیا —— تلاوت کی آواز بند ہوئی —— پھر دھیرے دھیرے ایک چاپ اُن کے کمرے تک پہنچی۔ کوئی دروازے میں رُک گیا۔

"آپ نماز کے لئے اُٹھیں گے ——؟" وہی آواز تھی —— رات والی۔

دوسرے کمروں میں ہل چل ہو رہی تھی —— پتہ نہیں لوگ جاگ اُٹھے تھے یا سوئے ہی نہیں تھے —— اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں —— وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی —— یہ اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ چکے تھے —— پھر وہ اندر آئی —— بٹن دبا کر اُجالا کیا —— دیکھا تو وہ سر جھکائے بستر پر بیٹھے تھے۔

"آپ تو سرفراز ہیں نا —— سرفراز کے معنی آپ کو معلوم ہیں ——؟ سربلند۔ پھر آپ یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں ——؟" اُنہوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا ——

کس قدر نکھری اور ستھری صاف شفاف اور نفیس عورت تھی —— رات کا سراپا ابھی تک آنکھوں میں تھا —— انہوں نے پہلی بار کسی عورت کو ساڑی میں دیکھا تھا —— گھر میں دادی اماں سے لے کر، امی حضور تک اور بہنوں سے لے کر نوکرانیوں تک سب چوڑی دار اوپی پاجامے. یا کھڑے چار کلی کے پاجامے یا آڑے پاجامے کرتے پہنتی تھیں —— اس پر اوڑھنیاں یا چھ گزی کھڑے دوپٹے —— ساڑی کا محل میں چلن نہیں تھا —— بابا حضور امی کے لئے دو تین موقعوں پر ساڑیاں لائے تھے لیکن وہ ساس کے ادب اور خوف سے پہنتی نہ تھیں —— دادی اماں کہتی تھیں :

"یہ پاتروں کا پہناوا ہے اُجاڑ ——"

رات کو اس نے ہلکے نیلے رنگ کی باریک جارجٹ کی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا —— ساڑی پر نیلے بادلے کی کامدانی ٹری ہوئی تھی —— زیوروں میں بھی نیلے رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے —— ہاتھوں میں نیلے نگوں کا حیدرآبادی جوڑا تھا جو ہر جنبش کے ساتھ جھل جھل کرنے لگتا تھا —— آنکھیں جو قدرتی طور پر نیلاہٹ لئے ہوئے تھیں، لباس کے ساتھ بُری طرح میل کھا رہی تھیں —— نیلے لباس میں گلابی چہرہ پھول کی طرح رکھا ہوا تھا —— کانوں میں لمبے لمبے جھمکے لئے ہوئے نیلے آویزے اور گلے میں نیلا جڑاؤ گلوبند —— پھر اس کا پلو سنبھالنے کا نزاکت بھرا انداز —— جب بھی آنچل ڈھلک جاتا، وہ لمبی لمبی کاغذ کی سی انگلیوں سے، دو چٹکیوں سے شانے کے پاس سے ساڑی کو پکڑتی اور دھیرے سے مرمریں گردن تک لے جا کر پلو یوں ٹکا دیتی کہ ساڑی پر ٹانکا ہوا طلائی حاشیہ کوندے اُٹھتا۔

اور اب وہ سفید ساڑی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس نورانی چہرہ لئے انہیں جگا رہی تھیں —— نہ جسم پر زیور تھا نہ رات والا سنگھار —— لیکن اس وقت چہرہ رات سے کہیں زیادہ پاکیزہ لگ رہا تھا۔

"آپ منہ ہاتھ دھوئیں تو چائے ناشتہ بھجواؤں ــــ" وہ ایک چھلانگ مار کر بستر سے اُترے۔

"نہیں میں پہلے نماز پڑھوں...گا ــ" وہ ذرا رُک کر بولے اور اسے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"مجھے پتہ تھا محل میں آپ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں ــــ یہاں ضرور پڑھیں گے ــــ دیکھئے رات ہی کو میں نے جانماز مسہری کے سرہانے لٹکا دی تھی۔"

ناشتہ کمرے میں ہی لگ گیا تھا ــــ وہ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بولے۔

"اتنی صبح آپ کیسا اُٹھ گئے ــــ؟"

وہ ہنسی ــــ "میں سوتی تو اٹھتی نا ــــ میں رات سے ہی جاگ رہی ہوں۔"

"وہ کاہے کو ــ؟" وہ حیرت سے بولے ــــ "آپ کو نیند نہیں آتی ــ؟"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی ــــ "نیند ہی تو نہیں آتی ــــ" ایک دم وہ بات کا موضوع بدل کر بولی ــــ

"آپ جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو لیں تو باغ میں ہوا خوری کو چلیں گے ــ"

"آپ کے گھر میں باغ ہوتا ــــ؟" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولے۔

"ایسے ہی غریبانہ چھوٹا سا باغ میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے۔"

"پھر تو وہ بہت اچھا ہوتیں گا ــــ" وہ ایک مرد کی طرح بولے۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہو گئی ــــ" وہ ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسے ہی ــــ بولا ــــ" اور وہ جھینپ کر ہنس دیئے۔

"ارے میں بھی کیا بد اخلاق ہوں ــــ آپ کو کھانے کو بھی نہیں بولا ــــ" وہ ندامت سے بولے "کھائیے نہ کچھ ــــ"

"یہ حکم ہے یا اصرار ــــ" وہ مسکرائی۔

"میں کیا حکم دیوں گی ـــــ نہیں نہیں میں کیا حکم دیوں گا ـــــ"

"کیوں آپ حکم کیوں نہیں دے سکتے ـــــ پتہ ہے آپ کی خدمت کے لئے مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ دئے جائیں گے ـــــ اس حساب سے میں آپ کی باندی ہوئی۔ آپ میرے آقا ـــــ"

باہر چڑیاں چوں چوں کرنے لگی تھیں ـــــ پرندے چہچہا رہے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے دامن میں خوشبوؤں کو لئے ہی چلی آرہی تھی ـــــ ایسا منظر نواب سرفراز نے کبھی نہیں دیکھا تھا ـــــ اور ایسی باتیں بھی کبھی نہیں سنی تھیں اور ایسی دوسری دنیا سے آئی ہوئی مخلوق، جیسی کہ یہ عورت تھی، کبھی کبھی نہیں دیکھی تھی ـــــ ان کا دل عجیب سے جذبات سے بھر گیا ـــــ سنجیدگی سے بولے۔

"زندگی میں آج تک کوئی ہمارا دل نہیں دکھایا ـــــ آپ کاہے کو دکھاتے؟"

دن ایسے گزر رہے تھے جیسے سونے کے چھلے میں سے ریشمی دوپٹہ ـــــ سرسر ـــــ سرسر شادی بیاہ میں کبھی ماں بہنوں کے ساتھ نواب سرفراز بھی جاتے تو ریتوں رسموں کو بڑے چاؤ اور حیرت سے مونہہ کھولے دیکھتے ـــــ ایک رسم انہیں بہت اچھی لگتی تھی ـــــ دولہا آرسی مصحف کے لئے دلہن کے تخت تک لایا جاتا ہے، لیکن سسرال والیاں خاص طور سے سالیاں، اور جوان بھابیاں، موسانیاں، رشتے ناتے کی سہاگنیں چڑھنے نہیں دیتیں ـــــ روکے رکھتی ہیں "جب تک اس چھلے میں سے ریشم کا دلہن کا دوپٹہ نہیں گزارو گے اوپر نہیں چڑھنے دیں گے ـــــ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے چھلا بھی پکڑو اور دوپٹہ بھی سنبھالو ـــــ" کوئی کوئی گھامڑ تو دونوں ہاتھ لگا دیتے اور پھر نیگ کے روپے لے کر ہی ان کو چھوڑا جاتا ـــــ اور کوئی کوئی مہارت سے ادھر چھلا پکڑا، چھوٹی انگلی میں ڈالا ـــــ دانتوں سے دوپٹے کا کونا پکڑ کے چھلے میں سے گزارا اور سرسر سرسر دوپٹہ چلا منزل کو ـــــ ادھر شور مچ جاتا ـــــ

"اے ہے یہ تو بے ایمانی ہے ۔۔۔۔ ایک ہاتھ میں کرنا تھا ۔۔۔۔ یہ تو دانتوں سے پکڑے رہتے ۔۔۔۔"

دُلہا والیاں بولتیں : ۔"اَئی واہ دانتوں کی مناہی تھی کیا ۔۔۔۔ وہ تو دوسرے ہاتھ کو منع کرتے تھے ۔۔۔۔" ادھر ہنسی ہوتی رہتی ادھر دُوپٹہ چھلنے سے پار بھی اُتر جاتا۔ بس اسی طرح ان کے بھی شب و روز سونے کے چھلے میں سے ریشم کی طرح سَر سَر گزر رہے تھے ۔۔۔۔ نکلے جا رہے تھے۔

اب وہ محل واپس جائیں گے تو کیا کریں گے ۔۔۔۔ ؟" یہ سوال بار بار ان کے ذہن میں آتا تھا ۔۔۔۔ اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہینوں کے لئے یہاں بھجوائے گئے ہیں ۔۔۔۔ پہلی بات تو انہیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ کس وجہ سے یہاں بھیجے گئے ہیں لیکن اب بھیج ہی دئے گئے تھے تو واپس کیوں بلائے جائیں ۔۔۔۔ ؟ ابھی کُل چھ دن ہی ہوئے تھے اور یہاں ان کا ایسا دل لگ گیا تھا کہ وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ بابا حضور سے کہہ دیں گے کہ کیسا بھی کر کے میرے رہنے کا اب یہیں انتظام کر دیتے۔

ایک عجیب نرالی دنیا تھی یہاں کی بھی ۔۔۔۔ پہلے دن جب وہ آئے تھے، رات کا وقت تھا ۔۔۔۔ مسند پر سامنے ہی وہ گانا گاتی بیٹھی تھی ۔۔۔۔ ساتھ میں سازندے تھے ۔۔۔۔ اندر، باہر کچھ لڑکیاں اور عورتیں بھی آ جا رہی تھیں ۔۔۔۔ جب کچھ اندازا انہیں نہ ہو سکا تھا ۔۔۔۔ اب پتہ چلا تھا کہ وہ سب بھی ناچتی گاتی تھیں ۔۔۔۔ چھ دنوں سے خود اس نے تو کچھ محفل نہیں سجائی، دوسری لڑکیاں البتہ آنے والوں کا ناچ گانے سے دل بہلاتی تھیں۔ انہوں نے ایک دن پوچھا بھی ۔۔۔۔

" پہلے تو آپ گاتے بیٹھے تھے ۔۔۔۔ جس دن میں آیا تھا ۔۔۔۔ اب کیوں نہیں گاتے آپ ۔۔۔۔؟"

"گاؤں گی ۔۔۔۔ ناچوں گی بھی ۔۔۔۔ یہ تو میرا پیشہ ٹھیرا ۔۔۔۔ اصل میں آپ کے

آنے کی خوشی میں سمجھئے یا آپ کی دل بستگی کی خاطر، میں نے چھٹی کر رکھی ہے ——"

"لوگاں آپ کا نام لے لے کر بہت پکارتے —— نا؟" روزانہ رات کو محفل سجتی اور دوسری لڑکیاں گانے بجانے بیٹھتیں تو وہ بھی سرفراز نواب کو لے کر وہیں آجاتی اور گلدستے کی طرح سج جاتی —— گھر کے سارے لوگ اُسے بی بی کہتے —— چھوٹی لڑکیاں بی بی آپا کہتیں —— لڑکیاں گاتی رہتیں اور لوگوں کی نگاہیں اسی پر جمی رہتیں —— گانے گاتے لڑکیاں خفت مٹانے کو اسے آمادہ کرتی رہتیں۔

"بی بی آپا —— اب آپ آجائیں یہاں —— سب لوگ آپ کی آواز کے مداح ہیں"

"بی بی آپا —— نہیں گاتیں تو کم سے کم ہمارے سامنے آکر تو نہ بیٹھئے —— ہماری سُبکی ہوتی ہے ——" وہ مُسکرائے جاتی —— ایسا وقار اُس کے چہرے پر تھا کہ لوگ نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پاتے —— ایسی کوئی بھاری بھرکم شخصیت بھی نہیں تھی —— موزوں قد و قامت کی ایک خوب صورت عورت ضرور تھی، لیکن بے پناہ ملاحت —— بعض عورتیں اس قدر حسین، اتنی نفیس، اتنی باوقار اور کچھ ایسا رعبِ حسن لئے ہوتی ہیں کہ مرد ان کی تمنا تو کرتے ہیں —— لیکن چھوتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی —— ایسی عورتوں کو عزت لُٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا —— مرد انہیں جی جان سے چاہتے ہیں —— وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت چھونے کے لئے ہی بنائی گئی ہے، پھر بھی وہ رعبِ حسن سے تھرا جاتے ہیں —— نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتے۔

اور وہ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی۔

وہ دن نواب سرفراز کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ ایسا لذت آمیز دن

کہ وہ دونوں اس نشے میں سرشار رہے۔

محل میں یہ ہوتا تھا کہ جو نواب سرفراز نے کہہ دیا پتھر کی لکیر ــــ کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سے سرتابی کرے، ذرا کسی بات پر غصے ہوئے اور لڑکیوں کی فوج کی فوج منانے اور خوشامد کرنے کے لئے تیار، اور یہ ہیں کہ مزید اینڈتے جا رہے ہیں مگر مان کر نہیں دیتے ــــ آنے کے کوئی آٹھویں دن کی بات تھی کہ نواب سرفراز نے اس سے اچانک ہی کہا۔

"آج آپ بہت خوب صورت لگ رہے ــــ"

"اچھا ــــ" وہ ہنسی "آئینہ دیکھ کر رائے دوں گی۔ آپ کی پسند کا کیا بھروسہ" وہ بھی ہنس دیئے۔ بولے:

"آج آپ اور میں ذرا گھومنے چلیں گے ــــ"

"گھومنے ــــ؟" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے چلائی: "کہاں؟"

"ایسا ایچ ــــ پتھر گھٹی ــــ چار مینار ــــ لاڈ بازار اور پھر... ..."

"باس ــــ باس ــــ باس ــــ" وہ شرارت کے موڈ میں تھی "بہت گھوم لئے بھئی ــــ تھک کر چور ہو گئی میں تو ــــ" وہ سمجھ گئے کہ یہ ٹال رہی ہے۔ ذرا غصے ہو کر بولے ــــ

"تو آپ نہیں چلیں گے کیا ــــ؟"

"میرا کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا ــــ"

"تو سمجھ آپ میرے سے بات بھی نہیں کرنا ــــ" وہ غصے میں بھر کر بولے تو وہ الٹ کر بولی۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے مری جا رہی ہوں؟ ارے جناب آپ ایک دن بات نہیں کریں گے تو میں سو دن نہیں کروں گی۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہونہہ۔ اور وہ پیر پٹختی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

"اسے" وہ زنانے میں آگئے — یہ تو تیج مچ نکل کر ہی چلی گئی — بجائے اس کے کہ مجھے مناتی، خود ہی غصے ہو کر بیٹھ گئی — ارے نادہ!

انہیں پھر کبھی ایک آس تھی کہ شاید وہ آئے لیکن وہ پہر کے کھانے پر وہ کسی طرح وہ بلوانے نہیں آئی — بلانا کیا وہ تو خود ہی انہی کے کمرے میں ان کا اور اپنا کھانا لے کر آجاتی تھی اور ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، شرارت اور چہلوں کے درمیان کھانا چلتا رہتا تھا — آج وہ کھانا لے کر کیا آتی، بوسیدہ مائے خانساماں آکر دروازے میں اڑ گیا۔

"نباب صاب کا کانا کدھر پہنچاؤں؟"

انہیں بے حد غصہ آیا "کھانا کدھر پہنچاؤں —" اس شخص کی بات چیت میں حرف ہ کا کوئی گزر ہی نہیں — کہاں تو وہ ہنسی سے بھرپور باتیں، ہنستا ہنساتا چہرہ۔ ہری بھری ادائیں اور کہاں یہ بڈھا جس کی بات میں وہ بھی نہیں آتا، ہنسی کیا آئے گی — غصے سے تپ کر بولے:

"تمہارا نام کیا ہے جی —؟"

وہ ادب سے بولے: "ایدر میاں" (حیدر میاں) آج ان کو ہر بات پر غصہ آرہا تھا نام دیکھو تو ایدر میاں — بات سنو تو، کانا کدر پونچاؤں" خوب غصے سے بولے:

"بھاگ جاؤ —"

وہ نرمی سے بولے "باگ جاؤں؟"

انہیں شدید غصے میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو، یہ اس کی شرارت ہے اور اسی نے مجھے جلانے کے لئے اس سڑے مارے بڈھے کو بھجوادیا ہے — چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور سیدھے اس کے کمرے میں — وہ بڑے سکون سے بیٹھی ہوئی تھی —

"آپ کے یہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے کیا؟" وہ غصے سے لال پیلے ہو رہے تھے — اس نے انہیں ذرا سا مسکرا کر دیکھا مگر پھر مونہہ پھیر لیا۔

تلے کے ایک بے ہودہ بڈھے کو میرے سر لاد دیتے۔ آپ خود کھانے کا پوچھنے نہیں آسکتے تھے؟" ان کے اس طرح چیخنے چلانے پر اس نے صرف ایک نظر انہیں دیکھا وہ ایک نظر جس نے اٹھارہ سالوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو جھنجوڑ کر جگا دیا۔ وہ اسی طرح پرسکون انداز سے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی ـــــ ان کے چیخنے چلانے کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور نہ وہ بات کرنے ہی کے موڈ میں تھی۔

اچانک ان کا دم پھول گیا ـــــ ایک ایسی تبدیلی انہوں نے اپنے آپ میں پائی کہ ان کا وجود ہل گیا ـــــ اُسے یوں لیٹا دیکھ کر وہ اور بھی بے دم ہو گئے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، بڑی مشکل سے بہت مشکل سے انھوں نے آپ کو سنبھالا ـــــ

"ہو نہ ہو اس لباس، ساڑی میں ہی کچھ گڑبڑ ہے ـــــ عورت پہن کر لیٹے تو کر کے پاس کیسا قاتل خم پڑ جاتا ہے، انہوں نے اُسے گرسنہ نظروں سے گھورتے ہوئے سوچا۔

وہ ان کے جذبات کے مدوجزر سے بے خبر، یا جان بوجھ کر بے خبر بنی یونہی لیٹی رہی تھک ہار کر جب وہ اس کے کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں لگا کہ شاید اس کے دل میں کچھ رحم آجائے اور وہ بلائے لیکن وہ تو منانے کے لئے بنی ہی نہیں تھی۔

ایک دن گزرا ـــــ

دوسرا دن گزرا ـــــ

تیسرا بھی دن گزر گیا ـــــ رات آئی ـــــ آج جانے کتنے دنوں بعد اس نے محفل سجائی ـــــ ہارمونیم ہاتھ میں لینے سے پہلے حاضرین محفل کو بھرپور نظروں سے اور انہیں نواب سرفراز کو اچٹتی نظر سے دیکھ کر سازندوں سے مخاطب ہوئی۔

"محفل میں کوئی ہم سے خفا خفا ہے ـــــ سمجھ میں نہیں آتا کیا گائیں کہ یہ خفگی دور ہو جاتے ـــــ؟"

نواب سرفراز پوری جان سے سنسنا گئے۔ اُف! یہ عورت تو مجھے مار ڈالے گی۔

غصّے ہو جاؤ تو مناتی نہیں ـــــ بات کرو تو سُنتی نہیں ـــــ مخاطب کرو تو بات نہیں کرتی اور دُور ہٹو تو آنکھوں کے کونوں سے بُلا دے دیتی ہے ـــــ رُعب داب ایسا کہ چھُو نہ سکو۔ تو کیا کرو مَر جاؤ ـــــ ؟ نہیں نواب سرفراز! محل چلو، وہاں بہوت لڑکیاں ہیں۔

ان خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی ـــــ سازوں کی سنگت میں اس کی آواز کا جادو سارے میں بول رہا تھا ـــــ کیا گلے میں نُور بھرا ہُوا تھا ـــــ انہیں لگا کہ اگر یہ عورت اندھیرے کونے میں بیٹھ کر بھی گاتے تو اس کی آواز کے اُجالے سے کمرہ روشن ہو جائے

کس مُصیبت سے بسر ہم شبِ غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

وہ شعر پڑھنے کا انداز اور وہی اُچٹتی ہُوئی نگاہ پھینکنا ـــــ نواب سرفراز کو محفل سے اُٹھتے بن پڑ رہی تھی نہ بیٹھتے ـــــ

برسوں تڑپاتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کس تکلف سے وہ تکلیفِ ستم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سوا تیرے کسی پر بھی ستم کرتے ہیں

اور پھر سب کو نظر انداز کر کے پُوری پُوری توجہ ان کی طرف کرنا لیکن اس میں بھی ایک ادا کہ محفل سمجھے نہ سمجھے لیکن وہ سمجھ لے جس کے لئے گایا گیا ؎

ہم ہی بدنام ہیں جھوٹے بھی ہم ہی ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں!

پھر تحت اللفظ حاضرین کی طرف دیکھ کر، رُک رُک کر۔

"ہاں صاحب ہم ستم کرتے ہیں اور آپ تو کرم کرتے ہیں نا ـــــ"

ایسی رات اُنہوں نے اب تک نہیں گزاری تھی ـــــ اس میں ایک کیف بھی تھا'

کسک بھی، دل آزاری بھی، کچھ کھونے کا احساس بھی۔ کچھ پا لینے کی کیفیت بھی، ایک لذت بے نام ——

پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب محل پر آکر اپنے مریض کو دیکھنے آنے والے تھے اس لئے نواب صاحب نے ڈاکر خاں کو بھجوا کر ایک دن پہلے ہی صاحبزادے کو محل بلوا لیا۔

جس صبح ڈاکٹر صاحب آنے والے تھے، اس سے پچھلی رات کو یہ ہوا:

رات کو صاحبزادے کے کمرے میں دودھ پہنچانے زیبون گئی تو سہی لیکن لوٹی نہیں —— اس کی ماں بھی "چھوٹے صاحب کے پاؤں داؤں دبانے بیٹھ گئی ہوئیں گی"۔ ایک گھنٹہ —— دو گھنٹہ —— انتظار کرتے کرتے زیبون کی ماں سو گئی —— صبح آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر دیکھا، ابھی تک زیبون غائب تھی —— گھبرا کر چھوٹے سرکار کے کمرے کو بھاگی —— دروازے کو دھکا دیا تو کھل گیا —— سامنے جو منظر تھا اس نے اُسے بال نوچنے اور سر پیٹنے پر مجبور کر دیا ——

بے چوڑے چھپر کھٹ پر پہلے تو زیبون دکھائی ہی نہیں دی، جو غور سے دیکھا تو دو روحیں ایک جسم بن کر پڑی ہوئی تھیں اور سفید چادر پر گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

"میں لٹ گئی پاشا!"

"میں برباد ہو گئی پاشا ——"

"آگے کیا ہوا ——؟" صبح ہی صبح یہ ہنگامہ دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں ——

"آگے کیا ہوا —— بول تو سہی موئی ——"

"اب کیا بولوں پاشا —— بولنے کو موہنہ ایچ کہاں رہ گیا، وہ دھڑا دھڑ چھاتی کوٹنے لگی ——

دُلہن پاشا نے بڑے افسوس سے نواب شوکت کو رات کی واردات سُنائی تو وہ:

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"مولیٰ کا احسان ہے ـــــ شُکر ہے۔"

"اَئی کیا آپ کی مغز ماری گئی جی ـــــ یہاں ایک غریب بچّی کی عزّت لُٹ گئی۔ ہور آپ مولیٰ کا شکر ادا کر رئے ـــــ"

"انسان بڑا خود غرض ہے بیگم ـــــ آپ کو کیا بتا نا، ہم آج کتے خوش ہیں۔ ہمارے سَر سے آج کتا بڑا بوجھ اللہ ہٹایا۔"

ماں تو بے حد خوش تھیں کہ پندرہ دِنوں بعد بیٹا گاؤں سے آیا ہے لیکن الگ الگ باپ بیٹے کے دِل میں چپقلش سی چل رہی تھی ـــــ نواب شوکت سوچ رہے تھے کہ اب صاحبزادے کو کیوں طوائف کے کوٹھے پر بھجوائیں ـــــ علاج تو پُورا ہو ہی گیا ـــــ اور صاحبزادے سوچ رہے تھے، دو دِن گزُر گئے ہیں مجھے کیوں بھجوایا گیا تھا وہاں یہ بھی پتہ نہ چل سکا اور اب روکا کیوں جا رہا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ لیکن اے مولیٰ کوئی مجھے نہ روکے ہیں اب محل میں کیسے رہوں گا ـــــ؟

ڈاکٹر صاحب آئے۔ تفصیلی باتیں ہوئیں ـــــ بے حد خوش ہوتے۔ بولے: "مجھے پتہ تھا میرا طریقِ علاج ناکارہ نہیں ہے ـــــ بہر حال ایک بچّی کی عزّت لُٹ گئی سخت افسوس کی بات ہے ـــــ خُدا گُناہوں کو معاف کرنے والا ہے ـــــ اچھی جگہ دیکھ شادی ضرور جلد سے جلد کروا دیجئے ـــــ دان دہیز اتنا دیجئے کہ ماں کے دِل کا غم بھی دُھل جائے ـــــ حالانکہ یہ داغ دولت سے نہیں دُھلتے ـــــ لیکن پھر بھی دولت دھبوں کو چھپا ضرور دیتی ہے ـــــ"

"زیبون کی شادی تو ہو جائیں گی": نواب صاحب بولے: "لیکن اب آپ یہ بتلایئے کی صاحبزادے کو ابھی اور بھی وہاں بھجوانا چاہیئے کی مطلب پورا ہوگیا ـــــ؟"

"میرے خیال سے تو منزل مل چکی ہے ——" ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے۔
لیکن منزل کہاں، ابھی تو نواب سرفراز نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا —— جو ان کے دل کو لگی ہوئی تھی اس سے سارا زمانہ بے خبر تھا۔

"ہو جی مُنیشیاں دیوان ڈگاں مر گئیں کیا کی میرے ہاتھ سر کے نیچے کو اکیلا کا دل پر بھیج دئے آپ —— اب اللہ خیر سے وہ آیا تو میں نئیں واپس جانے دیوں گی ——" دُلہن پاشا مسات کو نواب شوکت سے بولیں:

"جیسی آپ کی مرضی مگر کام سیکھتے رہتا تو اچھا تھا ——" وہ تو خواہ مخواہ بہانہ سازی کر رہے تھے ——

"وئی تو میں بھی بول رئی تھی —— چپ کا چپ بچّے کے پیچھے پڑے رہتے —— اب دیکھو نا پندرہ دن کے اندر اندر وہ لڑکوں کے جیسا بات کرنا سیکھ گیا کی نئیں —— چار مردوں میں اُٹھا بیٹھا تو آ گیا محاورہ —— آپ تو خود بچی عمر کا بچتے اس کو ——" پھر وہ ہنس کر بولیں:

"آپ اس نے سیکھا بول کے سارے محل کے چھوکریاں کو مردانی بات چیت کرو لیجے —— اب کیا ہوا معلوم —— بچّوں کے اسکول کے چھوکریاں تو چھوڑو، اپنے خاندان کے بھی سارے لڑکیاں بالیاں مردوں لڑکوں کے وَیسی ایچ بات کرے رئیں، اصل میں اللہ رکھو اِن چار پیسے سے خوش ہیں —— پیسے والوں کی نقل تو سبھی کرنا فخر سمجھتے —— میں تو بولتیوں اب حیدر آباد میں، ہمیشہ کے واسطے یہ رواج نہ پڑ جاتے کی لڑکیاں لڑکوں ہور مرد بچّوں کے وَیسی باتاں کر لیتے بیٹھے کیوں کی بڑے بڑے گھرانے ہیں سوب کی اپنی جان پہچان ہے —— اپنے بچّیاں کو مردانی بات چیت کرتے دیکھ کر وہ سمجھیں گے، یہ اچھی بات ہوئیں گی جبھی تو شوکت نواب ہور دُلہن پاشا اپنے بچّیاں کو سکھائے ——"

وہ ہنس ہنس کر سنائے جا رہی تھیں لیکن آج نواب شوکت کو اس قدر اطمینان کی گہری

سانس لگ گئی کہ وہ خرخر کر رہے تھے ــــــ دُلہن پاشا ان کی نیند سے بے خبر خوشی خوشی پوچھ رہی تھیں : "ہو جی پندرہ دن کے بعد میرا بچہ آیا ــــــ خاندان والوں کی دعوت کرتے ــــــ اس کو مرغِ مسلّم بہوت پسند ہے ، وہ بھی پکواتیوں کل . . . . . اپنی بات کے جواب میں نہ ہوں سُنی نہ ہاں ــــــ جُھک کر دیکھا تو نواب صاحب بے سُدھ سو رہے تھے ــــــ

"ائی اَجاڑ ان پو تو جیسے نو بے سر سے جانی پرس رئی ــــــ میں بات لگ کرتی ہور اُنوں خراٹوں پے خراٹے لیتے پڑئیں ــــــ"

صبح ہی صبح دلہن پاشا نے پچاس مُرغوں کے ذبح کرنے کا انتظام کرنے موذن صاحب کو بُلوا بھیجا ــــــ ماماؤں کو تاکید ہوئی کہ سارے میوے گھی میں تل کر ان کے پیٹوں میں بھریں ــــــ بادام ثابت ڈالیں ــــــ پھر ان کا خیال آیا کہ میٹھے کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا ہے کہ کیا پکے گا خود ہی بیٹے سے پوچھنے ان کے کمرے میں پہنچیں تو خالی کمرہ ان کی ہنسی اُڑانے لگا ــــــ

"آپ کو میری یاد آئی ؟" نواب سرفراز نے بڑی آس سے اس سے پوچھا وہ مجبور رہے تھے کہ وہ بجھ بجھ جائے گی ــــــ کہنے لگی : "اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی انگاروں پر سوتے ہیں ۔" لیکن اس نے ایک ادائے بے نیازی سے انھیں دیکھا اور ذرا حیرت سے بولی :

"یاد ؟ کس بات پر اور کس لئے ؟" ان کا سارا جسم سُلگ گیا ۔

"آپ کو میں اچھا نہیں لگتا ؟" وہ غصے سے بولے ۔

"اچھے تو لگتے ہیں ۔" وہ چڑانے کے انداز سے بولی : "لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ آپ کو جگنی بنا کر گلے میں لٹکا لوں ـــــ" اور وہ بن بات اپنے گورے گورے گلے میں پڑی جگنی کو جھلانے لگی ـــــ نواب سرفراز تلملا گئے۔ یہ کیسی عورت ہے؟ کسی بات سے نہیں پگھلتی ـــــ

"جی چاہتا ہے آپ کو کچا چبا جاؤں ـــــ"

"آپ میں یہ حیوانی صفات پیدا ہو رہی ہیں ـــــ آپ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنا چاہیئے ـــــ"

"مر گئے میرا علاج کرنے والے ـــــ" وہ جل کر بولے: "لوگاں بولتے عورتاں بہوت محبت کرنے والے ہوتے ـــــ آپ تو اس کے الٹ ہیں بالکل ـــــ"

"پہلے آپ مجھے براہِ کرم یہ بتا دیں کہ ہم دونوں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں ـــــ" وہ معصومیت سے ہاتھ ہلا کر بولی:

"دیکھئے، آپ کے ان باتوں سے میرا دماغ اوندھا ہو جائیں گا ـــــ"

"تو ابھی تک آپ کو یہ مغالطہ تھا کہ آپ کا دماغ سیدھا رکھا ہوا ہے؟" اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اچھا چلئے دوستی کر لیتے ہیں ـــــ آج صرف آپ کی خاطر گانا گاتے ہیں، آں!" جس لٹک سے، جس انداز سے وہ سر کو ایک طرف جھکا کے مسکراتے ہوئے "آں" کہتی تھی تو وہ انداز انہیں پاگل کر دیتا تھا۔

وہ آگے آگے، یہ پالتو بنے پیچھے پیچھے ـــــ وہ مسند پر جا کر بیٹھ گئی ـــــ ہارمونیم کو اپنے سامنے کھینچتی ہوئی بولی:

"ساز کے ساتھ یا یونہی ـــــ؟"

"آپ بنا ساز کے بھی بے حد سریلے ہیں ـــــ" وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"دیکھئے جناب میں مرد نہیں عورت ہوں ـــــ آپ کو مجھے اسی طرح مخاطب کرنا چاہیئے

یوں کہیے : "بے حد سُریلی ہیں ۔ مجھے ___ !" پھر اُنہیں سیدھی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی : "مدرسہ عالیہ میں تعلیم حاصل کی ہے نا ؟ قاعدہ نہیں پڑھی آپ نے ۔ صیغۂ مذکر صیغۂ مؤنث ! آں ___"

"آپ جو جو بھی کہیں گے ___ معاف کیجیے ۔ کہیں گی ، مَیں سب مانوں گا ۔ لیکن خُدا کے واسطے آپ مجھ سے اچھی طرح رہا کیجیے ___" اس نے کوئی جواب نہ دیا ، ہارمونیم کے پردوں کو آگے پیچھے کیا اور ایک شعر اُٹھایا :

هم نے دِل سی چیز دے دی آپ کو
آپ کیا دیں گے سوائے دَردِ دِل

نواب سرفراز بے تاب سے ہو گئے ___ پہلو بدل بدل کر اُنہوں نے شعر سُنا ___ اچانک وہ رُک گئی ۔

"اونہوں ___ یہ نہیں کوئی دوسری چیز ___" اور وہ شروع ہو گئی :

کس بات کی ہے حسُن کی سرکار میں کمی
سب کچھ ہے ایک رحم نہیں اور کرم نہیں

یہ شعر نواب سرفراز کے حسبِ حال تھا ___ دِل کی ساری تڑپ چہرے پر کھنچ آئی ___ ایک دم وہ رُک گئی ___ "اونہوں کچھ جچا نہیں یہ بھی ___ تھوڑی دیر وہ یونہی ساتوں سُر نکالتی رہی ___ پھر ہنس کر بولی : "یہ سُنیے ۔ شاید پسند آئے "

وہ اگر حیلہ کریں ، مدفن تک آنے کے لئے
ہاتھ نکلے ہیں جنازے سے بلانے کے لئے

"ذرا غور سے سُنیے گا حضور" :

شکل اچھی رنگ گورا بال لانبے چشم شوخ !
کس جگہ کی خاک لی تم کو بنانے کے لئے

"یہ تو آپ اپنی ہی تعریف کر رہی ہیں ——" نواب سرفراز ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ برجستہ بولی: "تعریف ہوتی ہے تو حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے، سنئے:

چادر آبِ رواں بن کر لپیٹ جاؤں گا میں
تم اگر اُترو گے دریا میں نہانے کے لئے

نواب سرفراز کا بدن سنسنا گیا —— انہوں نے کس کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے: "دیکھئے آپ ظلم کر رہی ہیں ——"

"کر رہی ہیں ——" اس نے مسکرا کر تصحیح کی اور گاتی رہی:

یہ ادائیں یہ جفائیں یہ جوانی یہ ستم!
ڈھونڈھو مزدور کوئی بوجھ اُٹھانے کے لئے

ہارمونیم روک کر ہنس کر بولی: "اپنے اپنے اندازِ نظر کی بات ہے۔ غالب تو مرگر کے مقدور نہ ہونے کا ماتم ہی کرتے رہ گئے —— یہ صاحب مشورہ دے رہے ہیں اور بُرا نہیں دے رہے ہیں کہ مزدور رکھ لیجئے ——" پھر ترچھے مڑے سے ذرا جھک کر بولی "آپ کی کیا رائے ہے ——؟"

"مجھے رکھ لیجئے ——" وہ فقیروں کی طرح بولے۔

"رکھ تو لیتی لیکن ..." وہ ناک چڑھا کر بولی: "آپ عمر سے چھوٹے ہیں میں آپ سے بڑی ہوں ——"

"اچھا آپ کی عمر کیا ہوگی ——؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ بتایئے کیا ہوگی ——؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیس سال ——" انہوں نے بے دھڑک کہا —— وہ بے طرح ہنسنے لگی —— ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہی ہیں؟" وہ پریشان سے ہو گئے۔
"میں اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہوں ـــــ اس ایک لمحے کے لئے تو میں موت سے مہلت مانگ لوں گی ـــــ"

ذاکر خاں نواب سرفراز کو جب لینے آئے تو وہ سخت گڑبڑائے کہ کیا جواب دیں ـــــ پھر انہیں رازدار بنانا چاہا۔
"ذاکر چچا! مجھے کیوں بلایا ہے؟"
"بیٹے اب کب تک یہاں رہیے گا۔"
"بھجوایا کیوں تھا ـــــ؟" انہوں نے عجیب و غریب سوال کیا۔ بڑی دیر تک ذاکر خاں چپ رہے۔ پھر بولے۔
"بیٹے ـــــ ویسے طوائفیں بدنام زمانہ ہوتی ہیں لیکن ان کے ہاں محفل کے آداب تمیز، قاعدہ، اندازِ گفتگو، اٹھنے بیٹھنے کا جو سلیقہ ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ہر ایک کی بات میں نہیں کرتا، لیکن بعض تو اتنی مہذب ہوتی ہیں کہ شرفا اور امرا اپنے لڑکوں کو آدابِ محفل تو کیا آدابِ زندگی کہئے سکھانے ان کے ہاں بھجواتے ہیں۔ آپ اپنی مثال بھی یونہی سمجھ لیجئے۔"
"تو کیا مجھے آدابِ زندگی آ گئے؟" وہ ذرا تلخی سے بولے۔ ذاکر خاں انہیں غور سے دیکھتے رہے ـــــ یہ انداز کسی لڑکی کا نہیں تھا ایک مرد کا تھا جو اگر اپنی ہٹ پر آ جائے تو ٹھوکر سے طوفان اٹھا دے ـــــ ان کے دل میں خوشی کی ایک کرن چمکی۔ اپنی خوشی کو دبا کر بولے:
"آئے یا نہیں آتے، میں غریب آدمی کیا جانوں۔ لیکن بابا حضور نے بلایا ہے آپ کو چلنا تو چاہیے بیٹے ـــــ"

"لیکن میرا جی نہ چاہے تو؟" وہ تیزی سے بولے۔

"آدابِ زندگی اس عورت نے سکھائے ہوں یا نہ سکھائے ہوں، آدابِ گفتگو ضرور اتنے کم عرصے میں سکھا دیتے ہیں ـــــ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو آج سے کچھ دن پہلے گھٹنوں سے سر تک نہیں اٹھاتا تھا جس کی زبان تک نہیں کھلتی تھی، آج کیسے رواں دواں بہتے پانی کی سی گفتگو کر رہا ہے، فاکر خاں نے دل میں سوچا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا فاکر چچا ـــ"

انہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی: "اچھا بیٹا! آپ یہیں رہیئے، میں نواب صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ ہارمونیم، طبلہ اور موسیقی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے!"

"اوہ فاکر چچا ـــ" وہ اچھل کر خوشی سے بولے "آپ واللہ میرے اصلی چچا ہیں ـــ"

فاکر خاں کے جانے کے بعد وہ خود ہی ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"آپ کو واپسی کا بلاوا آیا تھا؟" انہوں نے اقرار کے طور پر سر ہلایا۔

"تو گئے کیوں نہیں؟" وہ مسکرائی۔

"یہاں دل بہت لگتا ہے ـــ"

"پھر دو دن کیسے محل میں رہ گئے؟ وہ اُسے بے حد غور سے دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ بولے۔

"میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا لیکن لینے کی ہمت نہیں پاتا تھا وہ میں نے محل میں حاصل کر لیا ـــ" جب ایک مرد ایسی سنگین سچائی کا اعتراف اپنی محبوبہ سے کرے تو ہر چند کہ یہ بھیانک سچائی محبوبہ کا دل پھیر بھی سکتی ہے لیکن سمجھو کہ مرد اپنی محبت میں سچا ہے۔ اس کا دل پھرا نہیں بلکہ وہ خوش ہوئی اتنی خوش کہ اس کا چہرہ جگمگا گیا۔ مسکرا کر بولی:

"اور پھر کبھی آپ اسے محبت کہیں گے ۔۔۔؟"

"میں ... میں ... " وہ پھپک پڑے۔ "میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اگلے جملے کی منتظر رہی۔ "میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔"۔ لیکن وہ لڑکی ہی سر جھکائے سسکتے رہے۔

"آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں ؟" وہ سنجیدگی سے بولی، وہ خاموش اسے دیکھتے رہے ۔۔۔ غالباً ابھی ان کی اتنی عمر نہیں تھی جو یہ سوچ سکتے کہ کسی عورت کو حاصل کرنے کی سب سے آسان راہ شادی ہے ۔۔۔ وہ شاید جسم کے حصول کو ملاپ اور ساتھ سمجھ رہے تھے، اس معاملے میں بھی ان کا تجربہ بے حد کم تھا ۔۔۔ زیبون کا جسم ان کے اندر کے سرکش سیلاب کو بہا ضرور لے گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے ساتھ کی طلب یا چاہ نے انہیں بے کل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ زیبون سے سیراب ہونے کے بعد تو انہیں اور شدت سے وہ باوقار عورت یاد آتی تھی جس کو وہ پالینا بھی چاہتے تھے اور جس سے کوئی نسبت بھی نہیں رکھتے تھے ۔۔۔ جو سامنے بیٹھی انہی سے پوچھ رہی تھی، "آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں ؟"

انہوں نے بھی وہی سوال اس سے کردیا۔

"آپ ہی بتایئے میں کیا کروں ۔۔۔ ؟ میں ہر ہر لمحے آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ۔۔۔"

"ابھی میرے ترکش میں ایک تیر، بڑا کاری تیر باقی ہے ۔۔۔ جذبۂ رقابت بیدار کرنے والا تیر ۔۔۔ اس تیر کی چبھن آپ کو سمجھائے گی کہ آپ کیا کریں ۔" اس نے خاموشی سے سوچا ۔۔۔ نواب سرفراز آس بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کہ یہ اب کچھ بولے، اب کچھ بولے ۔۔۔ لیکن وہ انہیں بس دیکھا کی ۔۔۔

اگلے تین چار دنوں تک نواب سرفراز پاگلوں کی طرح اس کے قرب کی جستجو میں اس کے آگے پیچھے ہوتے رہے اور وہ ٹالتی رہی ـــــ صبح کی نماز کے لئے جگانے آتی بھی تو یونہی دور سے آواز دے دیتی اور چلی جاتی ـــــ اس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگی ـــــ اس کا اکثر وقت انہی کے کمرے میں گزرنے لگا ـــــ وہی پیاری پیاری ہنسی۔ وہی شرارت بھرا انہیں جلانے چڑانے والا انداز ـــــ وہی ننھی منی لڑائیاں جو انہیں وصل کا ہی انداز لگتیں ـــــ اس نے نواب سرفراز کو اس قدر خود پر مائل کر دالیا اور اپنے طور پر سمجھ لیا کہ وہ سوائے میرے کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائے گی ـــــ پندرہ دن اس طرح گزر گئے کہ اس نے انہیں اپنے بدن تو کیا ہاتھ تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی ـــــ اجازت کا کیا سوال تھا ـــــ ان میں خود اتنی جسارت نہیں تھی۔ حد یہ کہ پندرہ دنوں بعد ذاکر خاں ڈاکٹر صاحب کے کہنے اور نواب شوکت کے بھجوانے پر انہیں لینے آئے تو انہوں نے صاف کہلا دیا:

"میں بچہ نہیں ہوں کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈوں ـــــ جب میرا جی چاہے گا، میں خود چلا آؤں گا ـــــ شہر میں قدم قدم پر تانگے، شکرام اور سواریاں موجود ہیں۔"

ذاکر خاں ایک بے نام سی خوشی چہرے پر نہ آنے دینے میں ناکام رہے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک گیا ـــــ

"تو کیا بیٹے آپ کا دل بالکل ہی یہاں لگ گیا ـــــ محل کی یاد نہیں آتی ـــ؟"

جواب میں نواب سرفراز نے انہیں صرف غصے سے گھور کر دیکھا ـــــ

اتنی محبت، اتنا التفات پیہم، اتنی توجہ اس نے نواب سرفراز کو دے دی کہ وہ اسے اپنی ہی چیز سمجھنے لگے ـــــ ایسے میں اچانک ایک روز اس نے محفل سجائی ـــــ بڑے دنوں بعد آج اس اہتمام سے محفل سجائی گئی تھی جو لوگ اس کے گانے اور رقص کے دلدادہ تھے۔

جب یہ دیکھتے تھے کہ آج کل اس نے مسند پر بیٹھنا چھوڑ دیا ہے تو وہ آنے سے کترانے لگے ایسی ویسی لڑکیاں تو کہیں بھی میسر آسکتی ہیں ـــــ آج اس نے خادموں کے ہاتھ رقعے لکھ لکھ کر اپنے پرانے قدردانوں کو مدعو کیا ـــــ

آج ساری رات کا رت جگا تھا۔ بڑا کمرہ لبقعۂ نور بنا ہوا تھا، یہاں سے وہاں تک ایک ایسی رنگینی چھائی ہوئی تھی کہ پلک جھپکانے تک کو جی نہ چاہتا ـــــ رات کے گیارہ بجے وہ طلوع ہوئی اور واقعی سورج کی طرح طلوع ہوئی ـــــ رات کی مناسبت سے تو چاند کی طرح طلوع ہونا تھا لیکن لباس ؟ گہرے نارنجی رنگ کی بھروں کام کی جھلملاتی ساڑھی اسی رنگ کا بلاؤز ـــــ گورے گورے بازوؤں پر بازو بند ـــــ سر سے لے کر پاؤں تک پور پور زیور ـــــ مہندی ـــــ چھلے ـــــ انگوٹھیاں ـــــ بچھوے ـــــ پاؤں زیب ـــــ کبوتر آنکھ کی پازیب ـــــ گلوبند ـــــ کرن پھول ـــــ جھمکے ـــــ جھومر اور ناک میں وہی قاتل نتھنی ـــــ آج دلہنوں کا سا نور اس پر برس رہا تھا ـــــ

اس کے آنے سے پہلے حاضرین کو مصروف اور مسرور رکھنے کی خاطر ایندی بیندی آوازوں سے کچھ لڑکیاں وزن سے گری ہوئی غزلیں اور بازاری قوالیاں گاتی بیٹھی تھیں جیسے ہی بڑے دروازے سے موتیوں کا پردہ ہٹا کر وہ داخل ہوئی ـــــ سارے ساز بے آواز ہو کر رہ گئے ـــــ ہر نگاہ اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی ـــــ کسی نے معنی خیز جملہ کہا :

"آج تو توبہ کو توڑ دینے کو جی چاہتا ہے ـــــ" نواب سرفراز نے یہ جملہ سنا اور غصے سے ان کا خون کھول گیا ـــــ انہیں دگنا غصہ تو اس وقت آیا جب خود اس نے بھی یہ جملہ سنا اور مسکرانے لگی۔

"اس قاتل کی عمر کا پتہ ہی نہیں چلتا ـــــ عمر تو رواں ندی ہوتی ہے۔ یہاں اس ساحرہ کے پاس آؤ تو وہ بھی بہنا بھول گئی ـــــ یہ بول بھی اس نے ہنس کر خوشی خوشی سنے اور وہ صرف مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے ـــــ پہلے ایسی محفلوں میں وہ حاضرین محفل کے باوجود ساری توجہ انہی پر

دستے رہتی تھی ــــ پہلے کن انکھیوں سے دیکھتی لیکن یہ کبھی کبھی ہزار ہیروں پر بھاری رہتی تھی لیکن آج تو جیسے اس کے حسابوں وہ اس محفل میں تھے ہی نہیں -

اور پھر جیسے ان کا پورا وجود دھڑ دھڑ مشعلوں میں سلگنے لگا -

حاضرین میں کچھ بے چینی سی ہوئی ـــــ کسی بڑے نواب کی آمد ہے ــــ لوگ گردنیں اونچی کر کر کے مڑ مڑ کر دیکھنے لگے ــــ پتہ چلا کہ لکھنؤ کے کوئی نواب، جو حیدرآباد کے نواب عظمت یار جنگ کے جگری دوست ہیں، تشریف لاتے ہیں -

انہیں دیکھتے ہی وہ بڑے تپاک سے اٹھی ــــ اپنی عادت کے برخلاف جھک جھک کر آداب، تسلیم، بندگی، کورنش، بیک وقت بجالائی اور نواب سرفراز کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا ــــ جب وہ نفیس اور باوقار عورت نواب اچھن مرزا سے مخاطب ہوئی ــــ

"اللہ نواب صاحب! کتنے دناں ہو گئے یہ سورج غریب خانے پونئیں چمکا"

نواب اچھن خوش دلی سے ہنسنے لگے "مبارک ہو ــــ مبارک ہو، غنچہ دہن، پری ٹوپلس، اسی ایک دھنی زبان کا نشہ تو تمہارے پاس کھینچ کھینچ لاتا ہے، ورنہ کہاں حیدرآباد اور کہاں لکھنؤ ــــ"

"اب حضور آپ باتاں کو بناؤ ــــ کیا میرے کو معلوم نئیں کی حضور کا دل اصل میں کیں پو آیا واہے ــــ"

"قسم بے پنجتن پاک کی ــــ جھوٹے کا مونہہ کالا، ہم تو صرف اسی صورت کے دیوانے ہیں ــــ نہ ہوئی یہ صورت مجنوں کے زمانے میں ــــ لیلیٰ بے چاری تو نیلا تھوتھا پھانک لیتی ــــ"

نیلا تھوتھا کہیں سے میسر آجاتا تو سب سے پہلے اس وقت نواب سرفراز پھانک

لیتے کہ ایسی بے ہودہ باتوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہو رہی ہے بلکہ مزے لے لے کر مُسکرا مُسکرا کر اسی زبان میں باتیں کئے جا رہی ہے کہ جس زبان میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو ٹوک ٹوک دیا کرتی تھی ـــــ مارے جلن، حسد اور رقابت کے انہیں محفل میں بیٹھنا دشوار ہو گیا ـــــ اگر ان کی محبت میں کھوٹ ہوتا تو نہ کبھی اُن کے نام پر جُوتا مار کر اسی وقت وہاں سے نکل کر اپنے محل کو چلے جاتے ـــــ لیکن یہ ایک مرد کی پہلی محبت تھی اور مرد اپنی پہلی محبت میں آدم کی طرح سچا ہوتا ہے جنہوں نے دُنیا میں خود کو تنہا پایا اور کسی ساتھی کی کھوج کی اور خدا نے انہیں انعام میں عورت دی ـــــ پہلی عورت، پہلی محبت، مشہور ہے کہ مرد بھونرے کی طرح ہرجائی ہوتا ہے ـــــ ہوتا ہوگا، لیکن بار بار محبت کرنے والا یہ ہرجائی پہلی محبت کے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھتا ہے ـــــ کُھرچ کُھرچ کے پھر اُسے ہرا کر لیتا ہے ـــــ اس زخم کو ہرا رکھ کے اسے جو کسک ملتی ہے، وہی اس پہلی محبت کی جان ہوتی ہے ـــــ وہ اپنی پہلی محبت کی اس کسک کو دل میں دبائے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے ـــــ

آج وہ پتہ نہیں کس نشے میں تھی، بے حال ہوئی جا رہی تھی ـــــ آوازیں ان کے کانوں میں گرم گرم لاوے کی طرح ٹپک رہی تھیں ـــــ

"آج ہر ساز کو چھوٹ ہے ـــــ آج بے ترتیبی مباح ہے ـــــ ہرا نما نہ رہا ہے ـــــ سازندو آج تال کہروا خوب بجاؤ، اتنا کہ سامعین و حاضرین مست و بے خود ہو جائیں ـــــ اس کے بعد طبلے، ڈھولک، دَف، تاشے اور ساتھ میں سارنگی اور ہارمونیم کو تھکاؤ ـــــ میں ناچوں گی ـــــ آج گھنگرو نہ ٹوٹے تو کیا ناچ ہوا ـــــ"

وہ سُنتے رہے، خون پیتے رہے ـــــ محفل شباب پر آتی گئی ـــــ چاند ادھر سے اُدھر سرکتا رہا ـــــ ان کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں ـــــ نیند کی جسارت نہ ہوئی کہ ایسی تپتی سنگلاخ زمین پہ قدم رکھے ـــــ

یوں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ـــــ وہ میرے سے آئی لیکن اس کی پازیب کی چھم چھم نے بتا دیا کہ وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے۔

بڑی متانت سے اس نے پوچھا "محفل سے اُٹھ کر کیوں چلے آئے تھے؟"

بڑا بوجھل سناٹا تھا ـــــ وہ یونہی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجّہ بنائے لیٹے رہے۔ سانس کی دھونکنی لوہار کی دھونکنی بنی ہوئی تھی۔

"وہ اصل میں میرے بڑے پرانے گاہک ہیں۔" اس نے لفظ گاہک پر خاصا زور دیا ـــــ "اور وہ ٹھمری بولی سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں ـــــ مجھے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی کہ نواب اگر حیدر آباد کے ہوں تو دہلی اور لکھنؤ کی اردو میں بات کروں اور باہر کے ہوں تو پرچانے کے لئے ٹھیٹی اردو میں ـــــ میرے مونہہ سے اچھی لگتی ہے نا؟"

وہاں ایک خاموشی ہی تھی سب کے جواب میں ـــــ وہ یونہی سنائے ہوئے پڑے رہے۔

"مجبتی میں تو طوائف ہوں ـــــ میں کسی ایک کی ہوں کیسے؟ مجھے تو سبھی کو خوش رکھنا پڑتا ہے ـــــ ویسے نواب اچھتن برے آدمی تو نہیں ہیں ـــــ"

ایک دم چھینٹے کی سی تیزی سے وہ اپنے بلند و بالا جسم کو لئے بستر سے کودے ـــــ عین مین اس کی آنکھوں کے سامنے آکر وہ اپنے پورے اونچے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے "بتاؤ مجھ میں کیا نہیں ہے ـــــ اس مخمل تھلے بڈھے کو دیکھو جس کی توند اسے چلنے نہیں دیتی اور مجھے دیکھو ـــــ اس زنخے کو دیکھو اور مجھے دیکھو ـــــ اس بن بن کرتی آواز کو سنو اور میری آواز سنو ـــــ اگر تم محض دولت کی غلام نہیں ہو تو بتاؤ اس بڈھے کا اور مجھ جیسے جواں مرد کا کیا مقابلہ ہے، ہم نے تو سنا لڑکیوں کے مونہہ سے یہی سنا ہے کہ عورت دولت نہیں مانگتی، تخت نہیں مانگتی، صرف مضبوط کسا ہوا تگڑا ہے جو اس کی ہڈیوں تک کو چُرمرا دے ـــــ پھر تم جیسی جوان لڑکی اس بڈھے پر کیسے ریجھی ـــــ ہونہ ہو اس

کی تہہ میں دولت کارفرما ہے۔

"جی نہیں، آپ غلط سمجھے ـــــ کوئی بھی عورت اور خاص طور پر مجھ جیسی عورت معاشرے میں، رہنے کا جینے کا تحفظ چاہتی ہے جو بنا شادی کے ممکن نہیں اور نواب اچھن مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں ـــــ"

وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھے۔

"نواب اچھن تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں ـــــ وہ غلیظ گندا تھل تھلا بڈھا، جسے ایک لات ماروں تو سیدھا گندی پیٹھ میں جا کر گرے ـــــ وہ تمہارا یہ خوب صورت صندل والا خانی ہاتھ تھامے اور میں اُلو کا پٹھا ہوں جو دیکھتا رہوں گا ـــــ" انہوں نے تیزی سے اس کا نازک، انگوٹھیوں سے جگمگاتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا "یہ ہاتھ میرا ہے ـــــ میں اسے... ..."

"نہیں نہیں ـــــ" وہ چیخی، "مجھے مت چھوئیے ـــــ مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ یہ گناہ ہے، گناہِ کبیرہ ہے ـــــ" وہ سانسوں سانس ہو گئی ـــــ نواب سرفراز نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ـــــ وہ آگے بڑھ کر مسہری پر بے دم سی ہو کر گر گئی۔ وہ نادم نادم سے اسے دیکھتے رہے ـــــ دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ آہستگی سے بولے:

"معاف کیجئے گا ـــــ آج جذبات کی رو میں، میں حفظ و مراتب بھی بھول بیٹھا آپ کو تم کہہ گیا ـــــ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کو میں پسند نہیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، مجھے برا نہیں لگے گا ـــــ لیکن اگر ذرا بھی کوئی بات میری پسند ہے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماہ و سال کے جانے کتنے لمحے اپنے دامن میں آنسو لئے آئے اور برس برس کر جل تھل ایک کر گئے ـــــ اب نہ برسو ـــــ اب نہ برسو خدا کے لئے ـــــ اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے ـــــ اس نے اپنے دھڑکتے پھڑکتے دل کو قابو میں کیا اور پاتاں

سے بولی۔

"آپ میں ناپسند کرنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، لیکن آپ کے بزرگ لوگ ... ..."

وہ تیزی سے بولے: "اٹھارہ برس کے مرد پر زبردستی بھی تو نہیں کی جا سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ کوئی میرے آڑے نہیں آئے گا ——"

"مائیں بڑی نرم دل ہوتی ہیں ——" وہ اندر سے کرچی کرچی ہوتی ہوئی بولی "تہہ در تہہ محبت ہی محبت —— لاکھ منہ سے برے برے بول بول لیں، اولاد کی کوئی بات نہیں ٹالتیں، لیکن باپ مرد ہوتے ہیں، سخت دل، اڑ جانے والے —— اگر آپ کے بابا حضور نہ مانے تو ——؟"

وہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بولے: "یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ راضی ہیں، مجھے دنیا مل گئی ——"

"طوائف سے شادی کرنا بہت مشکل ہے —— آپ نہیں سمجھیں گے —— آپ ابھی نوعمر ہیں —— آپ نے زمانے کو نہیں پرکھا —— لوگ آپ پر انگلیاں اٹھائیں گے —— طرح طرح کی باتیں ہوں گی —— آپ یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔

"شاید دنیا میں مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو لیکن میں تو اسے اپنے ہی دل کی آواز کہوں گا اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں خود کو ختم ... ..."

ایک دم اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ بڑھایا کہ ان کے ہونٹوں پر رکھ دے، لیکن خود ہی پیچھے ہٹا لیا ——

"اے خدا گواہ رہیو —— میں امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی۔" اسے خاموش اور سہما ہوا پا کر وہ کچھ اداس ہو گئے ——

"آپ یقین کریں میں آپ کو وہی عزت دوں گا جو محل میں امی حضور کو ملتی

رہی ہے ——"

"مستحق تو میں اسی عزت کی تھی ——" وہ زیرِ لب بولی جسے وہ سُن تو پائے۔

اپنے چہرے سے پھُوٹتی پڑتی خوشی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے "میں اٹھارہ سال کا ہوں لیکن دُگنی عمر کا لگتا ہوں اور تم دس سال کی ہو میرے خیال سے قدو قامت ہی کو دیکھنا چاہیئے ——" وہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکے —— "آپ تو زیرِ نہ تو بالکل بچی لگتی ہیں بچی —— چاہوں تو ایک انگلی پر اُٹھا لوں آپ کو ——" وہ شرارت سے جھکے، لیکن وہ دُور ہٹ گئی ——

"میں طوائف ضرور رہی لیکن صرف ناچنے گانے والی —— یہ دیکھیے تھنی آج تک پڑی ہوئی ہے —— آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کسی بھی طوائف کی ناک میں جب تک نتھنی ہے سمجھو وہ بکاؤ مال نہیں بنی —— شادی تک صبر کر لیجیے نا —— کیوں میری عاقبت خراب کرتے ہیں ——"

وہ شرارت پر تُلے ہوئے تھے: "تو پھر بھی شادی آج ہی کر لیجیے نا؟"

"آج تو خیر نہیں، لیکن اگلی جمعرات کے بارے میں کیا خیال ہے ——؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جو آپ کی مرضی ——"

"میری چند شرائط ہوں گی ——"

"سر آنکھوں پر" وہ ہنسے: "کوئی خاص زیور یا کپڑے لتے کی ——؟"

"نہیں —— ایک تو یہ کہ جب آرسی مصحف ہوتا ہے اور دُلہن کا چہرہ لوگوں کو بتایا جاتا ہے، ویسے میرا چہرہ کسی کو نہیں بتایا جائے گا، دوسری یہ کہ رواج کے مطابق تو دولہا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے لیکن آپ مجھے ایک چھوٹا سا خنجر لا کر دیں گے"

"منظور ہے سرکار ——" وہ ہنسے "ویسے آپ خنجر کے بغیر بھی یہاں سے وہاں

یہاں قتل عام برپا کر سکتی ہیں ــــــ" وہ کہے گئی۔
"شادی سے پہلے کی رسمیں، رسمیں، مانجھ، سانچق، مہندی چالے ــــــ کچھ بھی نہیں ہوگا ــــــ شادی کے دن سُرخ کی بجائے میں سبز جوڑا پہنوں گی ــــــ"
"یہ بات ذرا مشکل ہوگی حضور ــــــ میں اپنے بابا اور امی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ وہ اپنے ارمان پھر اور کس طرح نکالیں گے ــــــ سوچنے کی بات ہے ــــــ رسمیں بھی نہیں سُرخ جوڑا بھی نہیں ــــــ"
"آپ نہیں سمجھیں گے ــــــ" وہ اُداسی سے بولی: "یہ بات کوئی راز تو رہے گی نہیں کہ آپ ایک طوائف کو بیاہنے جا رہے ہیں ــــــ جتنی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں گی اتنے ہی تیر کلیجے کو چھیدیں گے ــــــ آپ مجھ پر یہ ظلم روا رکھیں گے؟"
"چلئے جناب یہ بھی منظور ــــــ اب فرمایئے ــــــ"
"ہمارا مان بھری دُلہن کی طرح میرے بھی دل میں ارمانوں کی ایک ہری بھری فصل لہلہا رہی ہے ــــــ لیکن میں کس کس ارمان کو گنواؤں گی ــــــ بس ایک شرط اور ہے لیکن وہ عقد خوانی کے بعد، اپنی سسرال پہنچ کر بتاؤں گی ــــــ"
"ہم وہ بھی مان لیں گے سرکار ــــــ اور کچھ ــــــ؟"
"اور یہ ... وہ اپنے ڈوبتے دل کو تھام کر بولی" اور یہ دُعا کہ خُدا آپ کو میرا غم برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے ــــــ"

اکلوتے جوان بیٹے کی ضد کے آگے باپ کی کچھ نہ چلی ــــــ طوائف سے شادی!! نہ خاندان میں کسی نے سُنی نہ دیکھی اور یہ نامُراد، نالائق خود کرنے چلا ہے۔ بیچ میں ماں کو ڈالا ہے کم بخت نے کہ بابا حضور نے اگر منع کیا تو زہر کھا لوں گا ــــــ زہر کی بڑیا ماں کو لا کر بتا بھی چُکا ہے ــــــ نواب شوکت کے محل سے برات نکل کر چھمو تراق

کے رذیل اور ذلیل محلّے میں جائے گی ـــــ ہونہہ ـــــ اور یہ بھی صاحبزادے کا اسرار ہے کہ "وہ" یُما نہ مانے، اس کا دِل نہ دُکھے کہ جس عزّت کی وہ مستحق تھی وہ نہ ملی ـــــ شادی اسی شان و شوکت سے ہو جیسے کسی شریف زادی سے ہوتی اور سارے نواب، امیر، اُمرا، اور رؤسا سبھی بَرات میں چلیں اور عقد خوانی میں شرکت کریں۔

کیا کیا خواری اس اولاد کے ہاتھوں دیکھنی رکھی ہے، اُوپر والا ہی جانے۔

ایک سے ایک خیالات نواب شوکت کے ذہن کو کچوکے دیتے ـــــ مال کی مرضی تو باپ کی مرضی میں پوشیدہ تھی ـــــ وہی اگر راضی نہ تھے تو پھر فیل مچا کر کیا کرلیتیں ـــــ کلیجے میں ساری کھٹک تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ جوان اور اکلوتا لڑکا ہاتھ سے نہ نِکل جائے ـــــ بھلے سے رنڈی ہو، پاتر ہو، ناچن ہو، آتائی ہو، شادی ہو جائے ـــــ کون سا نبھا کریں گے ـــــ چار دن کھلونے کی طرح کھیلیں گے پھر تو اکھاڑے پر پھینکنے ہی والے ـــــ تو کیوں بچے کا جی خراب کیا جائے ـــــ لوگ غلط کہتے ہیں کہ پیری انسان کو جھُکا دیتی ہے ـــــ نہیں اولاد جھکاتی ہے ـــــ!

ہفتہ بھر ہی تو شادی میں باقی رہ گیا تھا ـــــ

پیسہ ندی کی طرح بہتا ہو تو آٹھ دن تو کیا آٹھ گھنٹے بھی جوڑ جاڑ کے لئے بہت ہیں ـــــ شوکت محل میں لہر بہر ہو گئی ـــــ

نواب سے زیادہ خود بھی خوشی سے بے حال، مونہہ ہی مونہہ میں گنگنا گنگنا کر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ ایک دن بڑی ترنگ میں آ کر گنگنا رہے تھے :

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

کہ نواب شوکت نے سُن لیا ـــــ اُن کا دِل دہل اُٹھا ـــــ بیٹے کو پاس بُلا کر دھڑکتے دِل سے پوچھا :

"بیٹے یہ کیا گا رہے ہیں آپ ——" ایک بھولی بسری یاد نے ان کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا تھا ——

"جی بابا حضور، محل میں دائی ماں کبھی کبھار یہ بول گنگناتی ہے، ہمیں اچھے لگتے تھے، زبان پر چڑھ گئے —— آپ کو پسند نہیں ——؟"

ان کے پھڑکتے پھڑپھڑاتے دل کو قرار سا مل گیا۔

"نہیں بیٹے، پسند ناپسند کی بات نہیں —— ہم سوچ رہے ہیں پتہ نہیں کہاں سے آپ یہ منحوس شعر یاد کر لئے —— خوشی کے موقع پر ایسے غمگیں اشعار نہیں پڑھنا چاہئے —— جایئے اپنا کام کیجئے ——"

شادی سے پہلے آخری بار اس نے محفل سجائی —— نواب سرفراز محل واپس آ گئے تھے کہ شادی کا انتظام کرنا تھا —— لیکن روز ایک دو پھیرے لگا لیتے تھے —— اُن کی تڑپ میں روز بروز اضافہ ہی تھا۔ اُس دن وہ گئے تو وہ بولی:

"اب کہاں میں اور کہاں یہ محفلیں —— کون جانے قسمت کی آندھی کہاں اُڑا لے جائے —— آپ کی اجازت ہو تو آخری بار ایک محفل سجا لوں ——"

وہ اس کی اُداسی سے متاثر ہو کر بولے: "کمال کرتی ہیں آپ بھی —— شادی کے بعد بھی آپ کے شوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ اس کا آپ پورا اطمینان رکھیں ——" وہ ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ محبت اور معصومیت ہی میری جان لے لے گی ——" اس کے چہرے کا حزن و ملال دیکھ کر وہ بھی اُداس سے ہو گئے —— رات آئی —— محفل سجی —— اُس نے ہارمونیم سنبھالا اور ایک دردناک طرز شروع کی ؎

شبِ فرقت کے جاگنے والے ٭ ایسے سوئے کہ پھر سحر نہ ہوئی

ایک بار ـــــ

دو بار ـــــ

تین بار ـــــ

بار بار یہی شعر وہ پڑھتی رہی اور سُننے والے سر دھنتے رہے ـــــ آخر وہ چونکی اور حاضرین سے معذرت خواہ ہوئی "پتہ نہیں اس شعر نے کیوں باندھ سا لیا تھا۔ بہر حال میں ایک غزل پیش کرتی ہوں ؎

قسمت اِدھر خلاف، دلِ بے قرار بھی
ہم سے پھری ہوئی ہے اُدھر چشمِ یار بھی

سیاہ لباس میں اس کا چہرہ غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا :

تنہا مرے، مزار پہ دم بھر نہ جل سکی
مایوس ہو کے بجھ گئی شمعِ مزار بھی

کتنی ہی دیر یونہی ساز بجتا رہا ـــــ پھر اُس کی درد بھری آواز اُبھری ؎

لے جائے اُن کے در پہ اُڑا کر صبا کبھی
اس آرزو میں تھا مرا مشتِ غبار بھی

وہی تکرار ـــــ

اس آرزو میں تھا مرا مشتِ غبار بھی
رو رو کے سینچتی رہی سبزے کو قبر پر
کچھ میرے کام آ گئی شمعِ مزار بھی

اس نے تھک کر اپنا سر ہارمونیم پر ٹیکا دیا ـــــ ماحول میں صرف آواز کی گونج باقی رہ گئی ـــــ سُننے والے سر دُھنتے رہے اور وہ اُسی طرح سر ٹکائے اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی ـــــ

مقررہ دن اور تاریخ پر ایک شان دار برات شوکت محل کے وسیع و عریض پھاٹک سے نکلی ـــــ اتنی لمبی برات کو "نکلتے نکلتے" بھی سب سواریوں کو گھنٹہ بھر تو لگ ہی گیا۔

جس کر و فر کی برات تھی، چڑھاوا بھی ویسا ہی دھوم دھام کا تھا ـــــ کیوں نہ ہوتا، آخر نواب شوکت یار جنگ کے اکلوتے بیٹے کی دولہن کا چڑھاوا تھا ـــــ جس جس سڑک سے بھی برات گزرتی حیدرآباد کے اُمرا کی شان اور روایت کے مطابق سارا جھم جھم کرتا چڑھاوا، مزدوروں کے سروں پر لدا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ـــــ دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اُمڈ آتے ـــــ کتنے ہی بے دعوتی برات کے ساتھ لگ گئے اور برات جب بنجمی مراق پہنچی ہے تو تین گنا زیادہ لوگ ہو گئے ـــــ

بغیر کسی جانواں میاؤں، شور شرابے یا بدنامی کے خیریت کے ساتھ نکاح خوانی ہو گئی ـــــ دُولہا میاں گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے، لیکن واپسی میں دولہن کو ساتھ بٹھانا تھا، اس لئے سجی سجائی بگھی میں لوٹے ـــــ ساری ہلڑ بازیوں، ریتوں، رسموں سے فارغ ہو کر دولہا دُلہن اپنے کمرے میں پہنچا دیے گئے تو محبت والے دولہا کو چہیتی دُلہن کی آخری شرط یاد تھی ـــــ گھونگھٹ اُٹھا کر پیار سے بولے ـــــ

"آپ نے کہا تھا نا ـــــ آخری شرط، سُسرال پہنچ کر کہوں گی ـــــ"

"جی ہاں مجھے یاد ہے ـــــ" وہ اُداس لہجے میں بولی: "آپ کا بے حد شکریہ! کہ میری بات کی لاج رکھی ـــــ وہ شرط ایسی کوئی خاص نہیں ـــــ بس یہ ہے کہ میں آپ کے بابا حضور کو سلام کرنا چاہتی ہوں ـــــ لیکن کوئی اور اس کمرے میں نہ رہے ـــــ"

وہ اس کا بے پناہ خوب صورت چہرہ دیکھ کر شرارت سے بولے: "بڑے میاں کی خیر نہیں آج ـــــ خُدا رحم کرے ـــــ" پھر ہنس کر باہر جاتے جاتے بولے "ٹھیریے میں ذرا انتظام کر کے آتا ہوں ـــــ اس وقت تو بابا حضور کے کمرے میں

ہجوم لگا ہوگا ـــــ نواب سرفراز جلد ہی واپس آ ئے۔ اُسے اشارا کیا ـــــ آگے آگے نواب سرفراز پیچھے پیچھے وہ ـــــ کمرے کے دروازے پر زرک گر ریٹ کرا س نے نواب سرفراز کو دیکھا جو ساری دنیا کا پیار دو آنکھوں میں لئے۔ اُسے اشاروں اشاروں میں جلدی واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے ـــــ

اُس کا دل پھوٹ بہا، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گئی ـــــ باہر سے میراثنیں کلیجہ کاٹنے والے بابل اور وداعیاں گا رہی تھیں ـــــ

دو پاٹن کے بیچ میں کچل گئی ہستی میری آج
ایک گئی وہ، ایک گئی یہ، کاسے کہوں ری بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے مل وساری آج
بے ری سکھیو پھر نہ کہنا بھول گئی تھی بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے ....

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی ـــــ اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا ـــــ نواب شوکت نے ذرا حیرت سے اُس کی اس حرکت کو دیکھا، بہر حال وہ وہیں شان دار صوفے پر بیٹھے اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتے رہے۔

قریب آکر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ

نواب شوکت تڑپ کر اُچھلے ـــــ

"حیا ـــــ تم ـــــ"

"ہاں میں ـــــ نواب شوکت یار جنگ ـــــ آپ تو بے گناہ ہیں ـــــ معصوم ہیں ـــــ گنہ گار اور مجرم تو میں ہوں ـــــ اور اسی لئے اپنی فردِ جرم میں خود ہی آپ کو سناؤں گی ـــــ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی لیکن سچ کے سوا کچھ نہ کچھ بھی کہوں گی ـــــ حوصلہ ہے سننے کا ـــــ؟ نواب شوکت تم نے آج سے اکیس سال پہلے میرا

خون کر دیا تھا ـــــ مجھے قتل کر دیا تھا ـــــ تم تو پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہو قرآن شریف تم نے بھی با ترجمہ پڑھا ہوگا ـــــ اللہ ہی کا بنایا ہوا قانون ہے ـــــ قصاص ـــــ خون کا بدلہ خون ـــــ نواب شوکت دُنیا کی نظروں میں تو میں زندہ ہی لیکن خدارا مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کہاں قتل نہیں کیا ـــــ میری ہر آرزو، میرے ہر ارمان، میری ہر ہر اُمید کو تم نے قتل کیا ـــــ نہ "خون بہا" دیا نہ میرا کوئی تھا، جو "قصاص" کے قانون کا تم پر اطلاق کرتا ـــــ میں تو قتل ہو ہی چکی تھی ـــــ میری ننھی سی بچی بھی زندہ نہ رہی ـــــ ڈیڑھ سال کی ہو کر ہی چل بسی ـــــ تمہاری یاد۔ تمہاری نشانی، جسے شاید تم اپنا مان کر بھی نہ دیتے ـــــ جو میری زندگی کی سب سے خوب صورت حکایت تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسی تو سوچو میرے لئے دُنیا میں کیا رہ گیا ہوگا جب کہ ماں کو میں خود ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی کہ مجھ سے پیشہ نہ کروانا شروع کر دے، جبکہ میں یہ عہد کر چکی تھی کہ اب اس جسم کا ہر ہر رُواں تمہاری امانت ہے۔ لیکن تم تو ایسے سوداگر نکلے کہ پھر اس امانت کو لینے کبھی نہ لوٹے، لیکن خدا کی خدائی میں جو بھی شے موجود ہے، ہر اس شے کی قسم کھا سکتی ہوں کہ پھر اس دلِ تباہ سے کسی اور کا خیال تک نہ گزرا ـــــ بس تو بہت دُور کی بات ہے ـــــ میری ماں نے جس طرح بلک بلک کر میرے فراق میں دم توڑا ہے نواب شوکت، اگر تم وہ تڑپ دیکھ لیتے تو ہر کراہ پر ایک ایک حج کا ثواب پاتے ـــــ میری ماں گنہ گار تھی شاید اسی لئے خدا نے اُسے جنت بخش دی ہو ـــــ لیکن مجھے میرا گناہ تو بتاؤ ـــــ کیسے سونے کے قلم سے نصیب لکھا کر لائی تھی میں بھی ـــــ! تم نے جو ماہ و سال اپنی دُلہن کی آغوش میں گزارے ہوں گے، اپنے کلکاریاں مارتے بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے گزارے ہوں گے نواب شوکت ـــــ مت پوچھو، مت زخموں کے ٹانکے ادھیڑو ـــــ تم اٹھارہ سالوں کی بات کرتے ہو ـــــ میں تو ایک رات کا بھی حساب نہیں دے سکتی ـــــ ایک ایک کروٹ!

ایک ایک کروٹ، سو سو نشتر پہلو میں توڑ دیتی تھی ـــــ سوچتی تھی کہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو گے ـــــ؟ کس طرح مسکرا رہے ہو گے ـــــ کس طرح سو رہے ہو گے ـــــ جب کہ میری بے خواب آنکھیں لہو روتی تھیں ـــــ تم مجھے لوٹ کر چلے گئے ـــــ تم نے کہا تھا تم مجھے سہارا دو گے ـــــ عورت کو ڈھانک کر رکھا جاتا ہے نا ـــــ تم نے مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم میری عزت کی سیپ سے آبدار موتی لے کر چلے جانے کے بعد تم نے سوچا ہو گا، اب اس میں کیا رہا ـــــ شادی کا وعدہ وعدہ ہی رہا ـــــ تمہارے وہ جملے میں کبھی نہ بھول پائی "یہ ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ـــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ـــــ اور تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی وہ نفرت جو میرے لئے تھی!! میں جو تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، یہ زہر میری نس نس میں اترتا رہا ـــــ پھر تمہارے جشنِ شادی میں بے حال ہو ہو کر ناچتی رہی کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، اس کی خوشی کا جشن تھا ـــــ!! پھر زندگی میں ایک ہی دعا یاد رہ گئی کہ خدا تمہیں بیٹا دے ـــــ میرے لئے!

پھر پتہ چلا کہ تمہارے گھر ولی عہد پیدا ہوا ہے اور خدا کے انصاف کو مان گئی کہ یہ انعام بس میرے ہی لئے اتارا گیا ہے ـــــ اور ـــــ اس دن میں نے عہد کیا کہ میں اپنے بے گنہ خون کا بدلہ خون ہی سے لوں گی ـــــ قصاص! صاف سیدھی سی بات ہے ـــــ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ـــــ میں نے تمہارے ارمانوں کا ـــــ ایک باپ کی سب سے بڑی تمنا، سب سے بڑا ارمان اس کی اولاد نرینہ ہوتی ہے ـــــ پانچ بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ـــــ وہ تمہیں کتنا پیارا نہ ہو گا۔ اس کا مجھے احساس تھا ـــــ میں تمہارے شب و روز سے بے خبر نہ رہی ـــــ میں نے دل ہی دل میں قصاص کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو اس مرحلے کے لئے تیار کرتی رہی

—— کہ تم سے تمہارا بیٹا چھینوں گی —— یہ بڑا ہی مشکل اور صبر آزما مسئلہ تھا —— لیکن میں انتقام کی آگ میں جل رہی تھی، سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی —— کیوں کہ تم نے مجھے طوائف ہونے کی وجہ ٹھکرایا تھا اور یہ ذلت میں کبھی نہ بھول سکی —— میں نے اپنے حسن اور جوانی کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا —— جانے کتنی زعفران اور دودھ میرے جسم میں حل ہو گیا —— صندل اور چنبیلی کی تاثیر نے مجھے سدا جوان رکھا —— ہم طوائفوں میں جسم ڈھل جانا بہت برا سمجھا جاتا ہے —— موٹا ہونا تو آمدنی بند ہونے کا پہلا قدم ہے —— کہتے ہیں جامن کے درخت کے نیچے بیٹھنے سے موٹاپا نہیں آتا اور نواب شوکت تم نے تو مجھے ایسے شجر کے سائے تلے بٹھا دیا تھا جس نے کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تک مجھے نہ دیا —— ببول کی طرح کانٹے دار اور بے آب و گیاہ —— سدا بہار غموں کا شجر —— میں کہاں موٹی ہوتی —— ؟ بالوں نے البتہ تھوڑی سی بے وفائی کی، لیکن میں نے مہندی سے رنگ رنگ کے انہیں شہد رنگ کیا ہے۔ تاکہ میری جوانی کے ضامن بنے رہیں —— یہ اٹھارہ سال بڑے ہی بزدل اور کچے نکلے —— دیکھو نا میرے قریب پھٹکنے تک کی انہوں نے ہمت نہ کی —— ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارا —— میری عمر سے آدھا کم عمر بیٹا مجھ پر فدا ہو جاتا —— ؟ یہ کرب میں نے کیسے سہا ہے یہ نہ پوچھو —— پھر کبھی زندگی میں انگور کے خوشے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ لگتا ہے کہ میرے دل میں بھی آبلوں کے ایسے ہی گچھے لٹک رہے ہوں گے —— تم نے تو مجھے کچھ بھی نہ دیا —— میں نے تمہیں وصال کی وہ مقدس رات، سہاگ رات تحفے میں دے دی جو میرا سب سے قیمتی سرمایہ تھی —— تم تو جواباً وہ قرض بھی نہ اتار سکے —— اتنے بڑے نواب! اتنی بڑی جائداد اور دل اتنا چھوٹا —— محبت کرنے والے تو اپنا آپ کٹا دیتے ہیں —— لیکن تم نے مجھ سے محبت کی ہی کب —— میری محبت کی چھوٹی سی مثال اور سن لو —— تم نے جب مجھے آخری ملاقات میں اشرفیوں سے

بھری تھیلی دی تھی تو یاد ہے میں نے وہ قبول کرلی تھی ۔۔۔ میرا جذبۂ وفا دیکھو ۔۔۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر آج میں یہ اشرفیاں قبول کرلوں تو تم یقیناً یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ کہ ہوں رنڈی ہی نا ۔۔۔ پیسے سے بہل گئی ۔۔۔ محبت ہوتی تو دولت کو ٹھکرا کر جاتی ۔۔۔ عزت کا خیال ہوتا تو تھیلی میرے مونہہ پر پھینک مارتی ۔۔۔ میں نے سوچا اپنے محبوب کو اتنا سا قلق بھی کیوں دوں ۔۔۔؟ اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے بعد بالکل ہی مطمئن اور میری طرف سے غافل ہو گئے ہو گے ۔ لیکن میں بتاؤں ۔۔۔ وہ ساری اشرفیاں تو میں نے اسی وقت اپنے ہاتھوں سے یتیم خانوں میں بانٹ دی تھیں ۔۔۔ البتہ آخری ملاقات کی صرف وہ نفرت سمیٹ کر دل میں محفوظ کرلی تھی جو محفوظ نہ کرتی تو کبھی انتقام نہ لے پاتی ۔۔۔ عورت کی فطرت خدا بھی شاید ہی سمجھا ہو ۔۔۔ ایک طرف تو تمہارے لئے دل میں پیار، ایثار اور وفا کا یہ جذبہ اور دوسری طرف تم سے انتقام لینے کی پوری تیاریاں ۔۔۔ ایک موڑ پر زندگی میں بابا فاکر خاں مل گئے ۔۔۔ شرافت اور انسانیت کے مجسمے ۔ وہ تمہارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے میرے خیر خواہ ۔۔۔ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میری آتی جاتی سانس ہو ۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے ۔۔۔ راستے میں پٹاخہ چھوڑوا کر ، گھوڑوں کو مجبور کرانے ، اور تمہیں بچا کر میری توجہ اور چاہت حاصل کرلینا ۔۔۔ یہ سب اُنہی کی صلاح تھی ۔۔۔ تمہارے محل میں پہنچ کر مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے بیٹے کو میرے بدنام گھرانے تک لایا جاتے ۔۔۔ یہ اتفاق تھا کہ تمہارا بیٹا عورتوں میں پل کر نسوانی طرزِ زندگی اختیار کر بیٹھا ، یہ نہ بھی ہوتا تو بھی بابا نے پوری ذمہ داری لی تھی کہ وہ تمہارے بیٹے کو گرا کر کے میری راہ ہموار کریں گے ، اور پھر تمہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرح میرا دیوانہ بنا ۔۔۔ لیکن میں نے اپنی شخصیت کے گرد اسے رعب و حسن کہہ لو یا انداز و لربائی ۔۔۔ ایسا حصار کھینچے رکھا کہ وہ کبھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا ۔۔۔ اور میں بڑھنے دیتی بھی کیسے ؟ میں تو تمہیں زیر کرنا چاہتی تھی ۔۔۔

بس! . . . اور آج ساری دُنیا کے سامنے تمہاری ناک میں نے نیچی کر دی —— طوائف ہو —— !!

آج میں نے بدلے چُکا لئے —— تُو مُنہ بھر زندگی باقی رہی ہے اب کتنا سنبھال سکوں گی —— جب ہم چھوٹے تھے، امّاں محلے کے بچّوں کے ساتھ عیدگاہ بھجوایا کرتی تھیں —— ہم خوشی خوشی ایک ایک پائی کے مشکر کے کھلونے لایا کرتے تھے —— مین مین عورت کی طرح بنی ہوئی گوریاں جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں، مگر اوپر سے بڑی خوب صورت —— دھکّے سے ٹوٹ جاتی تھیں —— میں بھی ویسی ہی شکر کا کھلونا ہو گئی ہوں سمجھو —— اندر کچھ بھی نہیں ہے نواب شوکت —— اتنے دنوں اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہے اب اور نہیں رکھ سکتی —— بہت تھک گئی ہوں ——

نواب شوکت اسی طرح ساکت و صامت، جیسے خواب میں مُبتلا تھے —— آنکھیں پھیلی ہوئی، ہونٹ نکلے ہوئے —— چہرہ ہونق —— زندہ تھے مگر مُردے سے بدتر۔

"تم کہو گے بارہ سال کہاں چھپی رہی اور اب کیوں بازار سجایا —— چودہ سال کا بن باس تمہارے بیٹے کے جوان ہونے کے انتظار میں کاٹا —— اور بازار حسن اس لئے سجایا کہ جب وہ میرے بدنام محلّے میں آکر مجھ پر فِدا ہوتا اور شادی رچتی تو سارے حیدرآباد کو علم تو ہوتا —— میرے دِل کی آگ اس طرح کہاں ٹھنڈی ہو سکتی تھی چُھپتے چُھپاتے شادی کر لیتی —— مجھے تو تمہیں خوار کرنا تھا —— اور مجھے اپنے عورت پن پر اتنا یقین تھا کہ عمر کے آدھوں آدھ فرق کے باوجود وہ میرا دیوانہ ہو جاتا —— امّاں نے جو لمبی لمبی نصیحتیں مجھے تمہیں باندھنے کے لئے کی تھیں وہ ساری میں نے تمہارے بیٹے پر آزمائیں بڑا ترس بھی آتا تھا کہ میں یہ کیا کر رہی ہوں —— لیکن میرا قصاص کیسے پورا ہوتا —— کیسی زندگی اب تک میں نے گزاری ہے شوکت نواب —— ؟ موت و حیات کے جھگڑے دوزخ و جنّت کی حقیقت حشر کی فتنہ سامانیاں ان سب کا اگر کوئی وجود ہے اور ان سب

سے بڑھ کر اگر کوئی خدا ہے، جو کہ یقیناً ہے ورنہ کوئی انسان تو کہ ن کو اتنا مسلسل کرب اور دکھ نہیں دے سکتا ـــــ ہم حقیر بندے بس یہی کہہ کر صبر کر جاتے ہیں کہ اللہ کی مصلحت ہوگی ـــــ لیکن حشر میں کبھی خدا سے سامنا ہوا تو اتنا ضرور پوچھوں گی کہ مجھے اتنا دکھ دے کر آخر تجھے کیا ملا ـــــ ؟ وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ کمبخت دل میرا ـــــ یہاں سے وہاں تک اس میں تیر ہی چبھے ہوتے ہیں کیا ـــــ ؟ وہ پاگلوں کی طرح روتے روتے اچانک مسکرانے اور پھر ہنسنے لگی۔ سب کچھ رائیگاں ہی گیا۔ سب کچھ !! دیکھو نا ـــــ جب تک تم سے بدلہ نہیں لیا تھا یہی سوچتی تھی بدلہ لوں گی ـــــ بدلہ لوں گی ـــــ اب جب کہ تمہارا مان توڑ چکی ہوں، پھر نامراد دل میں وہی پچھتاوے کی آندھی ہے کہ کوئی اپنے ہی چہیتے کو دل کے باسی کر لوں بھی ستایا کرتا ہے ـــــ ؟ دیکھو نواب اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میں تمہارے لئے ہی جی اور تمہارے لئے ہی مروں گی ـــــ قیامت کے دن یہ آنکھیں خدا کا دیدار نہ پائیں اگر تمہارے بعد انہوں نے کسی کو بھی بری نظر سے دیکھا ہو ـــــ ہاں اداکاری کی بات اور ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ کی۔ خدا نے زندگی کے ڈرامے میں مجھے کیسا دردناک رول دیا تھا ـــــ میری جان۔ ؟؟ اس کی آواز آنسوؤں سے بری طرح رندھ گئی ـــــ نواب شوکت اپنی جگہ پگھل سے گئے ـــــ وہ پیچھے ہٹی ـــــ "نہیں نواب نہیں، اب مجھے ہاتھ لگانے کا گناہ نہ کرنا۔ ایک وفادار بیوی کے شوہر ہو ـــــ تمہاری وفا پرست ازدواجی زندگی میں یہ داغ نہیں لگنا چاہیئے کہ شادی کے بعد کسی اور عورت سے بھی ملوث رہے ـــــ کنواری جوانی کے گناہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیا کرتا ہے ـــــ کم از کم مذہبی کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔ اور دل کو میں نے جھوٹی سہی تسکین تو دے لی ہے ـــــ اب اس ایک داغ کو رو رو کر اپنے حسابوں دھو لیا ہے تو پھر مجھے بھی کیوں گنہگار کرتے ہو ـــــ اتنا روئی ہوں اور حیرت ہے کہ آنکھیں کیوں نہیں بہہ گئیں ـــــ لیکن آج بھی وہی جوت۔ وہی جگمگاہٹ

ہے، شاید میرا ورثے میں اپنے دُکھ اور اپنی جوت، دونوں میرے ہی لئے چھوڑ گئی تھیں۔
... ... "بولتے بولتے وہ تھک سی گئی تھی ـــــ تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے سبز جوڑا پہنا تھا ـــــ آج بھی میں نے سبز کپڑے ہی پہن رکھے ہیں ـــــ یادوں کی پُروائی چلتی ہے تو کیسے کیسے پھول کھلاتی چلتی ہے ـــــ ایک ایک کر کے ہر بات یاد آتی ہے ـــــ آج ہی نہیں روز ہی یاد کیا ہے میں نے اُن حسین ساعتوں کو ـــــ" وہ پھر رونے لگی ـــــ "اگر مسلمان نہ ہوتی اور دوسرے تیسرے جنم پر ایمان اور اعتبار ہوتا تو خدا سے دُعا کرتی کہ اے مالک انسان کا جنم دے نہ پرند چرند کا ـــــ جنم دیجیو تو اب کے مٹی کا جنم دیجیو کہ سدا تمہارے قدموں تلے بچھی رہوں ... ... تمہارے پیروں سے چپٹی رہوں" دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونکی: "میں نے اس جسم کا جو صرف تمہاری ہی امانت تھا۔ اور تمہاری ہی امانت رہا، ہر ہر خیانت سے بچایا ـــــ ایک بار ـــــ صرف ایک بار تمہارے بیٹے نے شدتِ جذبات سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ـــــ وہ ہاتھ میرے جسم کے لئے حرام ٹھیرا ـــــ تم گواہ رہنا ـــــ"

اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی کمر میں اُڑسا ہُوا ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور کلائی کے پاس سے پنجے کو گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ـــــ اسی پھرتی سے خنجر سے اُس نے دِل کے پاس ایک گہرا شگاف لگا لیا ـــــ خون کا فوارہ سا اُچھلا ـــــ نواب شوکت آگے بڑھے، مگر وہ تیورا کر گری اور کراہی ـــــ "خودکشی کا گناہ ... ... ساتھ لے ... ... جا رہی ہوں ... ... مجھے چھوڑ کر میرے گناہوں میں مزید ... ... بوجھ نہ بڑھاؤ ـــــ کمزور جانے والوں کے ساتھ ... ... اتنا بھاری توشہ نہیں دیا کرتے ... ... میری ایک خواہش پوری کر دینا ـــــ جو تم ہی پوری ... ... کر سکتے تھے بس ـــــ! اور جس کا تم نے وعدہ بھی کیا تھا ـــــ تم شاید بھول گئے ہو ـــــ مجھے یاد ہے بس .....

مجھے اپنے ہاتھوں سے ڈھانک دینا ... ..."

جانے کتنے ماہ و سال آتے گئے گزرتے گئے، نواب شوکت وہیں ٹھٹھکے رہے ـــ جب دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی تو انہوں نے اس کا ہرا ہرا دوپٹہ کھینچ کر نکالا اور اسے سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا ـــ!

ہماری مطبوعات

ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں
کارِ جہاں دراز ہے	قرۃ العین حیدر
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی
رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم
پیغمبرانِ سخن	سردار جعفری
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام
ساحر شخص و شاعر	ناز صدیقی
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
سیتا ہرن	″
ماں کی کھیتی	•
آدمی کا مقدر	″
ڈنگو	″
آلیس کے گیت	″
تلاش	″
کٹاری	سعادت حسن منٹو
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
الٹا درخت	″
دادر پل کے بچے	″
میری یادوں کے چنار	″
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
چک پیراں کا جسا	″
ناگ منی	امرتا پریتم
یہ سچ ہے	″

پنجرہ	امرتا پریتم
انچاس دن	″
رنگ کا پتہ	•
ایک تھی انیتا	•
ڈاکٹر دیو	•
بلاوا	″
دو ہاتھ	عصمت چغتائی
بدن کی خوشبو	″
افسانے ڈرامے	″
ایک لڑکی ایک جام	امرتا پریتم
پھول کی تنہائی	کرشن چندر
محبت کی رات	″
سنے غلام	″
بلونت سنگھ کے افسانے	بلونت سنگھ
ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو
انارکلی	″
کالی شلوار	″
خالی بوتلیں خالی ڈبے	″
گنجے فرشتے	•
لاؤڈ سپیکر	″
نیچے اوپر اور درمیان	″
پت جھڑ کی آواز	قرۃ العین حیدر
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	″

مکتبہ اُردو ادب